قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

ماہنامہ

المرشد

لاہور

مارچ 1994ء

اداریہ

ماہ رمضان وہ با برکت مہینہ ہے جس میں اللہ کریم اطاعت کرنے والے بندوں پر رحمت' مغفرت اور اجر کے دروازے کھول دیتا ہے۔ ہر مسلمان کی اپنی ہمت ہے کہ وہ ان خزانوں سے کتنا لوٹ سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے درست ایمان اور خلوص کی شرط ہے۔ یہ بھوک پیاس اور معمول سے زیادہ عبادت کردار سازی کی تربیت کا طریقہ کار ہے جو اللہ کریم نے مسلمان کے لئے ترتیب فرمایا ہے۔ اور اس کا اجر ہزاروں گنا کر دیا ہے۔ جس خوش نصیب کو یہ اجر ملتا ہے وہ محض ثواب کے جمع و ضرب میں نہیں رہتا۔ اسے اس اجر کی مکمل خبر مل جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ کریم نہ ہی خالی وعدے کرتا ہے اور نہ ہی کسی کا ادھار رکھتا ہے۔ نہ ہی اجر پانے والے کو بے خبر رکھتا ہے۔ بھوک پیاس برداشت کر کے اور معمول سے زیادہ عبادت میں مشغول رہ کر' کردار میں مثبت تبدیلی آنے لگے' برائی سے نفرت اور نیکی سے رغبت پیدا ہونے لگے' رشوت' حرام اور جھوٹ سے دل انکار کرنے لگے اور محنت' حلال' سچائی' فرض کی ادائیگی اور مخلوق خدا سے محبت کی طرف دل راغب ہونے لگے تو اللہ کریم نے جس اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اس کی اطلاع آپ کو ملنا شروع ہو گئی۔ لیکن اس تربیت کا آپ کے کردار پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا۔ کردار میں کسی تبدیلی کا احساس پیدا نہیں ہو رہا تو اپنے دل پر توجہ دیجئے' اپنا محاسبہ کیجئے۔ ایمان کو درست اور مضبوط کرنے کی ضرورت ابھی باقی ہے۔ خلوص میں پاکیزگی' اطاعت' جذبہ سپردگی اور شدت کی مزید گنجائش ہے۔ ابھی وقت ہے۔ کوشش کیجئے۔ خوش خبری' آپ کے دل کے ریسور کے ذریعے آپ کو ملتی رہے گی۔

تاج رحیم

رمضان المبارک

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

آج رمضان المبارک کی ستائیس ہے الحمد اللہ آنے والی رات' چھبیسواں روزہ آج جا رہا ہے۔ رات میں جب کھانا کھا رہا تھا تو بچے ڈرامہ دیکھ رہے تھے ٹیلی ویژن پر مجھے اس کا ایک جملہ بڑا پسند آیا وہ کچھ طنزیہ ڈرامہ تھا کہ جس دفتر میں جاؤ جس محکمے میں جاؤ تو لوگ کہتے ہیں جی عید بھی آرہی ہے اور کچھ ہمیں اس کے لئے بھی دے دو تو وہ کہتا ہے کہ سب کو یہ فکر ہے کہ عید آرہی ہے کسی کو یہ فکر نہیں ہے کہ رمضان جا رہا ہے۔ بڑا قیمتی جملہ اس نے رواں روی میں کہہ دیا۔

شاید لکھنے والے نے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا ہے یا نہیں کیا۔ کہنے والے نے پیشہ ورانہ طور پر اپنے اس پیشے کے اعتبار سے کیونکہ اجرت لے کر مکالمہ ادا کرنا ہوتا ہے اس نے کہہ دیا پتہ نہیں اسے اندازہ تھا یا نہیں لیکن جملہ بہت قیمتی کہا اس نے کہ سب کو یہ تو ہے کہ عید آرہی ہے یہ فکر سب کو ہے لیکن یہ فکر کسی کو نہیں کہ رمضان جا رہا ہے۔

رمضان المبارک دراصل اللہ جل شانہ کے اپنے ارشادات کے مطابق بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق بھی جو ارشادات باری ہی کی تشریحات ہیں۔ رحمت الٰہیہ کو لٹانے کا ایک بہانہ ہے۔ بخشش و مغفرت کا ایک بہانہ ہے کہ بڑے سے بڑا گنہگار ایک روزہ خلوص سے رکھ لے ایک دن اک روزہ خالص اللہ کے لئے اور کوئی غرض نہ ہو اور روزہ رکھ لے روزے کی شرائط کے ساتھ اللہ کریم فرماتے ہیں اس کا ایک روزہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایک روزہ پہلے سارے گناہوں کی بخشش کے لئے کافی ہے۔

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا یعنی دو وصف ہوں اس روزے میں ایک ایماناً عقیدے کی درستگی ہو خالص اللہ کے لئے ہو ایمان کے ساتھ ہو اخلاص کے ساتھ ہو صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہو وَاِحْتِسَابًا اور احتساب کرتے ہوئے ہو یعنی اس حساب سے ہو کہ میں بندہ ہوں وہ مالک ہے اس نے حکم دیا ہے میرا کام ہے اس کے حکم کی تعمیل کرنا پھر روزے کا احتساب کرے کہ روزہ محض بھوکا پیاسا رہنے کا نام نہیں ہے روزہ نام ہے کہ جتنی قوتیں آپ کے وجود میں ہیں جتنی طاقتیں آپ کے پاس ہیں ان سب کو ایک خاص حد کے اندر روک دیں یعنی آپ بات کر سکتے ہیں لیکن گالی نہیں دے سکتے آپ بات سن سکتے ہیں لیکن فحش بات سننے کے لئے بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے۔ کانوں کو فحش کلام سننے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ آپ کا ذہن ہے آپ سوچ سکتے ہیں لیکن بہتری' کسی کے خلاف سازش یا برائی سوچنے سے ذہن کو روکیے۔ زبان کو جھوٹ بولنے سے روکیے آنکھوں کو برائی دیکھنے سے روکیے ہاتھوں اور

پاؤں کو برا عمل کرنے سے روکیے۔ تو یہ تمام وہ قوتیں جو انسان کے دائرہ اختیار میں ہیں وہ ممکن حد تک انہیں جب اطاعت الٰہی کے اندر روک لیتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے روزے کا احتساب کیا یعنی احتساب کر کے روزہ رکھا ہر کام کا اندازہ کر رہا ہے کھانے کا پینے کا سونے جاگنے کا نماز کے اوقات کا عبادت کا تلاوت کا۔

اب ہم روزہ رکھتے ہیں اور صبح تاش لے کر یا شطرنج لے کر کھیلنے بیٹھ جاتے ہیں اور شام تک کھیلتے رہتے ہیں ہوتا ہے ایسا۔ کیوں بھئی روزہ ہے اور تو کوئی کام نہیں۔ چلو ہم نے کہا ہے وقت گزاریں لیکن وہ صرف وقت نہیں گزرتا اس روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا وہ نتیجہ نہیں ملتا جو ملنا چاہیے یعنی وہ قرب الٰہی وہ خوف الٰہی وہ رحمت وہ بخشش وہ مغفرت جو ملنی چاہئے وہ نہیں ملتی سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اسی طرح جس نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی اور فجر کی نماز اٹھ کر باجماعت پڑھ لی اسے شرعاً" قائم اللیل تصور کیا جاتا ہے کہ وہ رات کو نہیں سویا اب یہ حکمت ہے کہ کسی کو شب بھر ہی سجدے کرنے کی ہمت دے دے تو وہ تو بہت جیت گیا بہت دور چلا گیا بہت زیادہ کما لیا اس نے اگر کسی نے عشاء با جماعت ادا کر لی اور پھر فجر اٹھ کر با جماعت پڑھ لی تو اسے بھی شرعاً" فقہی انداز سے قائم اللیل تصور کیا جاتا ہے کہ وہ ساری رات نماز پڑھتا رہا۔

رمضان المبارک کا ایک رات کا قیام جو ہے مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ لوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہ رمضان المبارک میں ایک رات کا قیام جس نے ایمان اور احتساب کے ساتھ اسی انداز سے کیا اس سے پہلے جتنی خطائیں وہ کر چکا تھا ساری معاف کر دی جاتی ہیں۔

لیکن میں آپ کو ایک نشانی بتاؤں گناہ کے بخشے جانے کی کہ یہ جو صوفیاء محققین ہوتے ہیں ان کی باتیں بڑی قیمتی ہوتی ہیں وہ کہتے ہیں زخم زخم ہی رہے تو آدمی اس کا عادی ہو جاتا ہے پرواہ نہیں کرتا لیکن اگر مندمل ہو جائے بھر جائے تو اس جگہ جو گوشت پیدا ہوتا وہ بڑا نرم ہوتا ہے بڑا حساس ہوتا ہے وہاں پہ ذرہ سی چوٹ بھی برداشت نہیں ہوتی اگر گناہگار کی زندگی گناہوں میں بسر ہو رہی ہو تو اسے پرواہ نہیں ہوتی مزید گناہ کرتا رہتا ہے لیکن اگر اس کے گناہ معاف ہو جائیں تو اس کے لئے گناہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ گوشت کچا ہوتا ہے نیا مندمل ہوا زخم ہوتا وہ اس پر اسے تکلیف زیادہ ہوتی ہے تو توبہ کی قبولیت کا اگر اندازہ کرنا ہو تو ہر آدمی اپنے اندر جھانک کر دیکھ سکتا ہے اگر گناہ کرتے ہوئے مزید گناہ کرتے ہوئے تکلیف ہو تو سمجھے پہلے معاف ہو چکے ہیں۔ پھر رک جائے۔ اور اگر اسے دکھ نہیں پہنچا شرم نہیں آئی تو وہ سمجھے کہ میں نے روزہ نہیں رکھا یا میں نے قیام نہیں کیا یا اس میں کوئی کمی تھی یا کوئی خامی تھی میں اپنے اس مقصد تک نہیں پہنچ سکا جہاں تک مجھے پہنچنا چاہیے تھا۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کی بڑے مزے دار ترتیب بتائی ہے وہ یہ ہے کہ **اولہ رحمہ** رمضان المبارک کے پہلے دس دن رحمت کے ہیں۔ رحمت سے مراد ہوتی ہے کہ کسی بھولے بھٹکے کو صحیح راستے پہ ڈال دیا جائے کسی بھوکے تک کھانا پہنچا دیا جائے کسی پیاسے کو پانی تک پہنچا دیا جائے کسی ضرورت مند کو کسی اپنی جگہ پہنچا دیا جائے جہاں اس کی ضرورت کی تکمیل ہو سکتی ہو یہ رحمت ہے۔

دوسرا عشرہ جو حضورؐ فرماتے ہیں مغفرت **اُوْسَطُهٗ مَغْفِرَه** درمیانی دس دن مغفرت کے ہیں مغفرت کیا ہوتی ہے وہ جو کسی میں کمی رہ گئی ہو اس خلا کو پر کیا جائے بھوکا ہے اگر اسے کھانے تک پہنچایا نہ جائے اسے کھانا کھلایا جائے۔ پیاسا ہے اگر تو اسے پانی تک پہنچایا نہ جائے بلکہ اسے پانی پلا کر اس کی پیاس ختم کر دی جائے بیمار ہے تو اسے صرف ہسپتال پہنچایا نہ جائے بلکہ اس کا علاج کرا کے اسے مکمل شفا تک پہنچایا جائے مغفرت سے مراد ہے جہاں جہاں سے اس کا دامن چاک ہے اسے رفو کر دیا جائے جہاں جہاں سے دامن پھٹا ہوا ہے اس کا احساس دلا دینا یہ رحمت

ہے اور چاک رفو کر دینا یہ مغفرت ہے۔

اور جو آخری دس دن ہیں فرمایا یہ تو پھر سرٹیفکیٹ بانٹنے کے دن ہیں **وَآخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ** یہ تو پھر سندیں دینے کے دن ہیں کہ ہر ایک کو رسید دے دی جائے کہ تم دوزخ سے بری ہو آخری عشرہ جو رمضان المبارک کا ہے وہ تو صرف اس بات کی رسیدیں اور سرٹیفکیٹ جاری کرنے کا ہے کہ بھئی تم نے رحمت بھی پا لی مغفرت اور بخشش بھی پا لی اب تم غضب الٰہی سے بچ گئے ہو۔

اللہ جل شانہ کی قوموں میں ہمیشہ سے خدا کی یہ سنت ہے کہ جب سے اقوام عالم وجود پذیر ہیں ان میں دو طبقے ہمیشہ سے آرہے ہیں ایک کو علماء کہتے ہیں آج کل کی زبان میں اور ایک کو مشائخ جنہیں ہم پیر کہتے ہیں یا بزرگ کہتے ہیں یا ولی اللہ کہتے ہیں۔

میں نے اگلے دن اسی بات پہ کچھ تھوڑی سی اس موضوع پہ گفتگو کی تھی جس کا ما حاصل یہ تھا کہ ہر صوفی عالم ہوتا ہے اور ہر عالم صوفی نہیں ہوتا۔ کیونکہ تصوف' حصول علم کے بعد عملاً" کچھ سیکھنا پڑتا ہے علم تعلیمات کے پانے کا نام ہے اور تصوف کیفیات کو پانے کا نام ہے کیفیات پانے کے لئے تعلیمات کو جاننا ضروری ہے تاکہ ان پر عمل کر سکے عمل کرنے کے بعد کیفیات حاصل ہوتی ہیں پھر جس طرح تعلیمات کے لئے استاد کی ضرورت ہے اسی طرح کیفیات کے لئے بھی کسی ایسے دل کی ضرورت ہے جو ان کیفیات کا امین ہو جس طرح تعلیمات کے لئے کسی ایسے ذہن کی ضرورت ہے جس میں علم کا خزانہ ہو اور آپ اس کے پاس جائیں تو آپ تک پہنچائے اسی طرح کسی ایسی خاموش زبان کی ضرورت ہے جو دل کو دل سے بات پہنچا دے۔

تو ہم سے پہلی قوموں میں بھی ایسے لوگ رہے ہیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو سب نہ سہی کچھ لوگ ایسے تھے اہل کتاب میں بھی بالخصوص نصاریٰ میں بھی جن کی تعریف اللہ نے کی ہے۔ تو ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں آپ مسلمانوں کے ساتھ محبت کرنے والا پائیں گے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا ان میں سے کچھ لوگ قسیس علماء ہیں **ورھبانا** اور کچھ لوگ تارک الدنیا اور گوشہ نشین قسم کے صوفی ہیں **وانھم لا يَسْتَكْبِرُوْنَ** اور یہ دونوں گروہ جو ہیں ان میں تکبر نہیں ہوتا یہ بڑائی نہیں کرتے اکڑ فوں نہیں ہوتی ان میں اور یہ دین کے قریب تر لوگ ہوتے ہیں۔

چنانچہ جب حبشہ کے بادشاہ نے اپنے علماء مشائخ جو عیسائی تھے ان کا وفد بھیجا حضور کی خدمت میں اور وہ زیارت نبوی سے مشرف ہوئے مسجد نبوی میں تو آپ نے سورۃ یٰسین کی تلاوت فرمائی تو وہ زار زار رو رہے تھے انہوں نے ایمان قبول کیا واپس جا کر بادشاہ کو خبر دی وہ بھی مسلمان ہو گیا۔

تو اسی واقعہ کو قرآن حکیم دہراتا ہے اور قانون کے طور پر ارشاد فرماتا ہے **وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ** کہ اس قسم کے لوگ یہ وہ بات سنتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو ان کی آنکھوں سے دریا بہتے ہیں اس لئے کہ ان کے دل حق کی پہچان رکھتے ہیں ان کے دلوں میں تمیز باقی ہے کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہے اس میں اور وہ پکار اٹھتے ہیں۔

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا اے اللہ ہم تجھ پر تیرے حبیب پر تیری کتاب پر ایمان لاتے ہیں **فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ** تو ہمیں تو ان لوگوں میں شمار کر لے جنہوں نے تیرے نبی کی تصدیق کی ہے اس سے آگے ایک بڑی مزے دار بات ارشاد ہوئی ہے فرمایا۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ کہ ہمیں کیا ہوا ہے وجہ کیا ہے ہمارے پاس کوئی ایسا وجہ نہیں ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں ہم قرآن کے حکم کو نہ مانیں اس کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے جب ہمارا مطالبہ یہ ہے جب ہمیں طمع یہ ہے جب ہم چاہتے یہ ہیں کہ خدا ہمیں اپنے نیک بندوں میں داخل

کر لے تو صالحین میں تو داخل ہونے کا تو ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کر لیں۔

یعنی یہ ذکر چل رہا ہے پہلی قوموں کا ان کے علماء و مشائخ کا اور راستہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ علماء ہوں یا مشائخ ان کا اپنا مطالبہ بھی یہ ہوتا ہے اور ان کے پاس جو درس و تدریس کے لئے علماء کے پاس ذکر و اذکار کے لئے مشائخ کے پاس یا مرید ہونے کے لئے پیروں کے پاس جو لوگ جاتے ہیں ان سب کا سوال یہ ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے طفیل پیر صاحب کے طفیل یا بزرگ کے طفیل ہم اللہ کے نیک بندوں میں شمار ہوں' ہماری نجات ہو جائے بخشش ہو جائے اب اس کے لئے نہ مرید کے پاس کوئی جواز ہے نہ پیر صاحب کے پاس کوئی جواز ہے کہ وہ کوئی ایسا کام شروع کر دے جس کا ثبوت نہ قرآن میں موجود ہو نہ سنت میں موجود ہو۔ اگر ایسا کریں گے تو اس کا مطلب ہے وہ صحیح راستہ چھوڑ گئے۔ راستے سے بھٹک گئے اس طرح میں نے یہاں سے گزرتے ہوئے تفسیر میں لکھ دیا ہے لوگ خفا ہوں گے لیکن اللہ راضی ہو گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر آج تک عرس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یہ عرس کیا بلا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کا عرس نہیں منایا گیا۔ ابو بکرؓ کے وصال کے بعد اس کا عرس نہیں منایا گیا۔ فاروق اعظمؓ کے وصال کے بعد ان کا عرس نہیں منایا گیا۔ عثمان غنیؓ مظلوم شہید کے بعد ان کا عرس کسی نے نہیں منایا۔ پتہ نہیں یہ کب سے شروع ہوا اور کس نے شروع کیا اور جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں صرف مریدوں سے پیسے جمع کرنے کا ایک آسان ذریعہ ہے کہ ایک جشن کی صورت میں دس دس پانچ پانچ بیس بیس پچاس پچاس روپے یا کوئی غلہ یا نقد یا بکرے یا کوئی چیزیں جمع کر کے پیر صاحب کے لئے دنیا جمع ہو جاتی ہے۔ مریدوں کا دین بھی جاتا رہتا ہے اس کی کوئی اصل نہیں اور آپ کسی پیر سے عرس نہیں چھڑوا سکتے۔ یعنی اس میں اس طرح سے پروئے گئے ہیں ہمارے زمانے کے پیر بلکہ اب انہوں نے اس کی برانچیں شاخیں نکالنی شروع کر دی ہیں۔ اور اس کے ساتھ گیارہویں شریف بھی۔ گیارہویں تو سال میں ایک دفعہ ہوتی ہے۔ اسے دو بنا دیں بڑی گیارہویں شریف چھوٹی گیارہویں شریف ایک تقسیم در تقسیم کرتے چلے جاتے ہیں کہ مختلف لوگوں کو مختلف مواقع پر لوٹتے رہو اور دیتے کیا ہیں سننے کو۔

شرعاً" یہ جو آپ کی قوالی موالی ہوتی ہے یہ گانا بجانا ہوتا ہے اس کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ ایک حد تک شادی کے موقع پر بعض قومی فتح کے موقعوں پر ثبوت ملتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کچھ بیبیوں نے مردوں سے علیحدہ تنہائی میں دف بجا کر خوشی کا اظہار کیا اور شادی کے موقع پر بھی حضورؐ اجازت دے دیا کرتے تھے کہ عورتیں ہوں علیحدہ مکان کے اندر ہوں باہر شور نہ جائے گانے بجانے کا اور خوشی کا اظہار کرے یعنی ایک حد ہے۔ لیکن کہیں بنسری بج رہی تھی اس کی آواز آ رہی تھی۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزر رہے تھے۔ تو آپؐ نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور ساتھ جو خادم تھا تھوڑے تھوڑے وقفے بعد اسے فرماتے تھے کہ تم انگلیاں نکال کر سن لینا جہاں آواز آنی بند ہو جائے مجھے بھی بتانا جہاں آواز آنی بند ہوئی وہاں آپ نے کانوں سے انگلیاں نکالیں۔

اب اس نبی پاکؐ کا نام لینا اس کی نعت پڑھنا اور طبلے کی تھاپ پہ رقص کرنا اور بنسری بجانا اور وہ سارے ہارمونیم بجانا اور اسی نبی کی نعت پڑھنا اور اس پر امید ثواب بھی رکھنا یہ کہاں کی شرافت ہے۔ یعنی اگر اسے گناہ سمجھ کر سن لیا جائے تو ایک حد تک قابل برداشت ہے یعنی آدمی گناہ کو گناہ تو سمجھے کہ مزا میرا سنتا شرعاً" حرام ہے۔ حرام کو حرام سمجھ کر کھا لیا جائے تو گناہ ہوتا ہے۔ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہوتا ہے۔

تو ایک عرس کے نام پر دولت اکٹھی کی جائے پھر لوگوں کو دیا کیا جائے؟ چند ڈوم اکٹھے کر کے طبلے کی چھاپ پر چند غزلیں گوا کر یہ دین دیا جا رہا ہے؟ عرسوں میں یہی کچھ ہوتا ہے نا یعنی دینے کو یہ ہے لینے کو آپ صرف دولت پہ اکتفا کرتے انہیں اس کے بدلے کم از کم دیں کہ چند مسائل ہی بتا دیتے اور ان کا

ایمان تو سلب نہ کرتے یعنی گنہگار ہوتے کچھ دینی مسائل کچھ وضو کے مسائل سیکھ کر آجاتے کسی گیارہویں شریف پہ کسی عرس سے۔ یہ تو ایک بات ہوئی میں نے بڑی تلاش کی ہے مجھے عرس کا ثبوت نہیں ملا متقدمین میں۔ اب یہ کہنا کہ جناب اس میں کوئی برائی نہیں ہے یہ اور بات ہے لیکن میرے خیال میں جو کام حضورؐ نے اور صحابہ نے نہیں کیا اس میں یہی برائی کافی ہے کہ وہ آپ نے کیا نہیں ہے اس کے برا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے یعنی کسی بھی کام کے ناپسندیدہ ہونے کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ یہ نہ حضورؐ نے کیا ہے نہ صحابہ نے کیا ہے نہ خلفائے راشدین نے کیا ہے اس سے اور اس میں بڑا نقص بڑی برائی کیا ہو گی۔

اس کے علاوہ میں یہاں اس کی فہرست نہیں گننا چاہتا کہ میں خود بھی پیر ہوں بھائی۔ میں خود مولوی بھی ہوں پیر بھی ہوں۔ پیر وہی ہوتا ہے جو لوگوں سے بیعت لیتا ہے۔ مولوی وہی ہوتا ہے جو لوگوں کو وعظ سناتا ہے۔ تو میں اپنے آپ کو بری تو نہیں کر رہا۔ میں آپ کو اسی لئے بتا رہا ہوں کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور آپؓ نے فرمایا کہ اگر میں حضورؐ کی سنت سے ہٹ جاؤں تو ایک بدوی بیٹھا تھا میلے سے لباس والا پریشان بالوں والا وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اس نے تلوار کھینچ لی اور کہنے لگا ابھی ہمارے بازوؤں میں جان ہے ہم آپ کو سیدھا کر دیں گے۔ فرمانے لگے مجھے تم سے اسی چیز کی امید تھی۔ اسی کی توقع تھی۔

تو میں یہ آپ حضرات سے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اگر خدانخواستہ میں بھی اس راستے پر چل پڑوں تو آپ لوگ مجھے بھی سمجھا سکیں کہ بھئی یہ کام تو آپ کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے پھر ہمیں کرنے کا حکم کیوں دیتے ہیں۔ ورنہ جو ہل چکے ہیں نا جو شکار پر لگ جاتے ہیں وہ باز نہیں آیا کرتے۔ آپ نے یہ ڈنگر دیکھے جو فصل اجاڑنے پہ لگ جاتے ہیں۔ زمیندار چارپائی کا پایہ اکھیڑ کر اس کے گلے میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ پائے سمیت دوسرے کے فصل میں گھسا ہوتا ہے وہ باز تو نہیں آتا۔ آپ پیروں کے گلے میں پاوا باندھ دیں یہ باز نہیں آئیں گے۔ وہ ہل چکے ہیں منہ میں خون لگ چکا ہے۔ آپ انہیں چھوڑیں اپنی جان بچائیں۔ اور اپنی سلامتی کے لئے کوشاں ہوں۔

تو میں آپ کو سمجھانا یہ چاہتا ہوں کہ بخشش رمضان میں بڑی ہے۔ لیکن بخشش کے لئے بخشش کا محل چاہئے۔ بخشش کی اہلیت چاہئے۔ ایمان اور خلوص چاہئے اگر عقیدہ خراب ہو گا خلوص میں کمی ہو گی تو ایک رمضان نہیں صدیوں کے رمضان گزر جائیں گے۔ ہمارے ایک اور سیّد کا اپنا نام رمضان ہے۔ اس لئے اس نے روزہ نہیں رکھا ہوا تھا۔ اسے کیا ضرورت بھلا وہ خود رمضان ہے یعنی وہ پیدا بھی رمضان ہوا مرے گا رمضان اس کے روزے کہاں جانے ہیں۔ اسے کیا ضرورت ہے روزہ رکھنے کی۔ میں نے کہا۔ بھئی تمہاری موج ہے تمہیں کیا بھوکا پیاسا رہنے کی تم تو خود رمضان ہو۔ دوسروں کا احتساب کرو کھاؤ پیو عیش کرو۔

تو اگر ہمارا یہ حال ہو گا یعنی ہم سے نافرمانی سرزد ہو رہی ہو گی یا ہمارے دل میں اپنی بڑائی کا خیال ہو گا اللہ سے عظمت کی بجائے یا اللہ سے خلوص کے بجائے کوئی دنیوی غرض ہو گی تو یہ محل مغفرت صحیح نہیں ہو گا۔ بخشش میں کمی نہیں ہے۔ بخشش اس طرف سے عام ہے لیکن اس طرف شرط قبولیت ہے کہ ایمان بھی ہو اور احتساب بھی۔ **ایمانا و احتسابا**۔ یہی بات یہاں اللہ نے فرمائی۔ کہ نیکی رہبانیت ولایت کیا ہے۔ اللہ کا حکم سنیں اللہ کے نبی کی بات سنیں تو ذاتی انا کا مسئلہ نہ بنے بلکہ ان کی آنکھوں سے دریا جاری ہو جائے کہ ہمیں اس سے پہلے کیوں پتہ نہ چلا۔ ہم نے پہلے کیوں وقت ضائع کر دیا۔ ہم پہلے کیوں رسومات میں کھوئے رہے ہم پہلے کیوں خرافات میں ڈوبے رہے اور جو کچھ ہم پہلے کر چکے ہیں ہم اس سے ابھی توبہ کرتے ہیں۔ ہم اب باز آتے ہیں۔ ہم اللہ اور اللہ کے رسول کی غلامی اختیار کرتے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں۔

جنہیں خلوص کے ساتھ نیک لوگوں میں اپنے آپ کو شمار کرانے کا شوق ہے ان کے پاس تو اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی

نہیں۔ کوئی دوسرا راستہ ہے ہی نہیں کہ جہاں انہیں حضورؐ کے نقش قدم کا نشان ملے وہاں وہ اپنا سر رکھ دیں۔ سر تسلیم رکھ دیں۔ اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی راستہ ہی نہیں۔ یعنی انہیں یہ پوچھنا بھی زیب نہیں دیتا کہ یا رسول اللہ یہ کیوں کریں۔ کیوں کا کیا مقصد ہے۔ جب رسول تسلیم کر لیا تو سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا سننا اور ماننا ہمارا کام ہے۔ فرمایا ایسے لوگوں کو تو اللہ کی رضا مندی نصیب ہوتی ہے اور اگر کوئی بڑا ہی نیک بنے بڑے ہی برقع پہنے بڑے ہی پردے کرے گرمی سے مرتے رہتے ہیں۔ اوپر ٹوپی پہنی ٹوپی پر رومال پہنا رومال کے اوپر ایک چغہ پہنا چغے کے اوپر ایک چادر تان لی کیا ضرورت ہے اتنا حلیہ بنانے اور لیپا پوشی کرنے کی اتنی میک اپ کرنے کی جیسے ہو ویسے رہو۔ خدا جانتا ہے دل کی گہرائی تک ظاہر سے اندر تک سوچ سے کردار تک اس کے ساتھ معاملہ رکھو لوگ اگر حلئے سے دیکھ کر نیک مان لیں گے تو لوگوں کے نیک ماننے پر فیصلہ نہیں ہو گا۔ اللہ کے علم کی لوگ تردید نہیں کر سکیں گے۔ کہ خدایا جو تو جانتا تھا معاذ اللہ غلط ہے۔ ہم جانتے ہیں درست ہے۔ بلکہ خدا کہے گا لوگو! تم نے جھک ماری اس بھیڑیے کو نیک سمجھا آؤ اس پر سے میں چادریں اتارتا ہوں۔ نیچے کیا ہے۔

فرمایا نیکی یہ ہے۔ یعنی نیکی کا درجہ کمال یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی بات سنے اور اسے نیچے نہ جانے دے۔ سینے سے لگا لے۔ کہ یہ میرے رب کا حکم ہے۔ میرے نبی کا حکم ہے۔ **سمعنا و اطعنا** میں سینے سے لگا لوں گا اور جو وقت ضائع ہو چکا ہے خدا مجھے اس کی معافی دے دے۔ آئندہ میں اس کے خلاف نہیں کروں گا۔ پھر تو بھئی بڑی یعنی خدا نے فاصلے گھٹا دیئے۔ دیکھیں نا اللہ کا لطف و کرم دیکھیں زندگی ایک راستہ ہے اس میں ہر سانس ایک قدم ہے۔ ہم پچاس سال ساٹھ سال برائی میں گناہ میں چلتے رہتے ہیں۔ اگر ہم توبہ کرتے ہیں' واپس آتے ہیں تو ساٹھ سال جس راستے پہ ہم چل کر گئے ہیں ساٹھ سال واپس بھی تو آنا چاہئے۔ آپ ایک راستے پر چلتے ہوئے پچاس سال بیس سال چلتے جایئے۔ تو واپسی کے لئے بھی تو بیس سال چاہئیں۔

فرماتا ہے نہیں تم جہاں یہ فیصلہ کر دو کہ مجھے واپس جانا ہے۔ وہاں سے اٹھا کر اسی لمحے تمہیں واپس پہنچا دوں گا۔ وہ تیرا صدیوں کا فاصلہ مٹا دوں گا۔ لیکن اس حال میں کہ تو اپنے آپ کو میرے اختیار میں دے دے۔ تیرا اختیار نہ رہے تو اپنے آپ کو میرے دست قدرت میں دے دے میں تجھے وہاں سے اٹھا کر یہاں رکھ دوں گا۔ اور اگر تو اپنی مرضی کرنا چاہے۔ تو پھر جہاں کھڑا ہے وہیں رہے گا۔ یعنی اگر ہم اپنا وجود اللہ کے قانون میں نہ دیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے اللہ کی گرفت میں اپنے آپ کو نہیں دیا۔ اس کے حوالے اپنے آپ کو نہیں کیا اللہ کے دست قدرت میں اپنے آپ کو نہیں دیا تو پھر ہم شیخ بنیں یا پیر بنیں۔ فقیر بنیں۔ سبز چغہ پہنیں یا نیلا پہنیں اس پہ طرہ باندھیں یا عینک لگائیں اس سے خدا کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ کو کیا فرق پڑتا ہے۔ کوئی شیر کی کھال پہن لے یا بھیڑیئے کی پہن لے وہ تو دلوں کے بھید جانتا ہے بھائی۔

اور دیکھو یہ بات چونکہ پیچھے سے چل رہی تھی نا عیسائیوں کے راہبوں کی اور تارک الدنیا لوگوں کی ان کی اللہ نے تعریف کر دی تو پھر اس کی آگے تصحیح کر دی تم امت ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنہوں نے فرمایا۔ **لَا رَہْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ** ۔ بات ختم ہو گئی یعنی انہیں اتباع کرنا تھا عیسیٰ علیہ السلام کا اور وہ کرتے رہے اس اتباع میں مخلص تھے۔ جب حضورؐ مبعوث ہوئے اللہ نے حضورؐ پر ایمان لانے کی توفیق ارزاں کر دی۔ اس کا انہیں صلہ مل گیا۔ جو بعثت سے پہلے فوت ہو گئے۔ ان پر بھی انعام کیا اور جو بعثت کے بعد زندہ تھے انہیں حضورؐ کے امتی ہونے کا شرف عطا کر دیا۔

لیکن تمہیں ان کی طرح راہب نہیں بننا تمہیں کیا کرنا ہے **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا** ۔ اے ایمان والو جو چیزیں رب نے تم پر حلال کی ہیں انہیں اپنی طرف سے حرام مت کر لو۔ اور جو رب نے حلال نہیں کیں ان کی طرف مت بڑھو' زیادتی نہ کرو۔

ولا تعتدوا۔ یعنی جس طرح حرام کھانا حد سے تجاوز ہے اسی

طرح حلال کو ترک کرنا بھی حد سے تجاوز ہے۔ چونکہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے گوشہ نشینی نہیں ہے۔ اسلام نام ہے بھرپور زندگی گزارنے کا۔ اللہ کریم نے پوری انسانی زندگی کا ٹائم ٹیبل دیا ہے۔ کہ اس طرح سے کماؤ۔ اس طرح تعلقات کے لئے کہ اس قسم کے لوگوں کے ساتھ دوستی رکھ سکتے ہو۔ اور اس قسم کے لوگوں کے ساتھ دوستی نہیں رکھ سکتے۔ اس طرح جنسی تعلقات کے لئے شادی کرنے کا ایک راستہ ہے۔ ایک معروف طریقہ ہے شرعی قاعدہ ہے اولاد ہو شادی ہو گھر بناؤ خوبصورت بناؤ اچھا بناؤ' موٹریں رکھو خوبصورت کپڑے پہنو اچھا کھانا کھاؤ لیکن کسی کا چھین کر نہیں۔ اچھے کپڑے پہنو لیکن چرا کر نہیں اچھی گاڑی رکھو لیکن رشوت کی نہ ہو۔

فرمایا۔ لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ۔ جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام مت کرو۔ یہ زیادتی ہے کہ تم پاکیزہ چیزیں کھانا چھوڑ دو۔ اچھا لباس پہننا چھوڑ دو۔ اچھا گھر بنانا چھوڑ دو۔ اچھی گاڑی لینا چھوڑ دو جب کہ اللہ نے تمہیں وسعت دے رکھی ہو۔ حلال ذرائع سے کما رہے ہو تو اگر تم ایسا کرو گے تو یہ زیادتی ہے نہیں بالکل نہیں اگر اللہ نے حیثیت دی ہے اس کے مطابق زندگی بسر کرو کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ اور کھاؤ خوب کھاؤ لیکن جو رزق اللہ نے دیا ہے اس میں سے چھین کر مت کھاؤ۔ اللہ کے رزق دینے سے مراد یہ ہے کہ جو رزق معروف ذرائع سے کمایا ہو حلال ذرائع سے کمایا ہو ملازمت کرتے ہو تو اس کا حق ادا کرو۔ جس کی تنخواہ لیتے ہو اس کا کام کرو۔ تجارت کرتے ہو اپنا جائز منافع کماؤ۔ اس طرح سے کاشت کاری کرتے ہو تمہارا اپنا حلال رزق کماؤ اس میں سے عشر واجب ہوتا ہے۔ یا تمہاری دولت پر جو زکوۃ آتی ہے تو جو باقی تمہارا مال ہے اسے ڈٹ کر کھاؤ۔ کلوا۔ کون منع کرتا ہے تمہیں۔ کھاؤ لیکن مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ جو رزق اللہ نے دیا ہے حلال کما کر کھاؤ۔ چھین کر مت کھاؤ۔ لوٹ کر مت کھاؤ۔ اور حَلٰلًا طَيِّبًا۔ حلال کھاؤ اور اسے پاکیزہ کھاؤ۔ دو شرطیں ہوں حلال بھی ہو اور طیب بھی ہو مثلاً" ایک جانور ہے ہم نے خود خریدا جائز پیسے سے جائز طریقے سے گھر میں پالا۔ حلال ہے بغیر ذبح کے مر گیا وہ حرام ہو گیا۔ طیب تو نہ رہا۔ ذبح کر لیا حلال ہے گوشت پاک ہے گھر میں جاتا ہے گھر والوں کو حلال حرام پاک پلید کے مسائل کا ہی پتہ نہیں غسل واجب تھا۔ گھر میں کسی کو اس کے مسائل ہی نہیں آتے جس نے پکایا اس خاتون کا وجود ہی پاک نہیں ہے۔ ناپاک ہاتھ جب اس میں جائیں گے تو طیب تو نہیں رہے گا۔ آپ کے آج کے دور کی ایک چھوٹی سی مصیبت ہے مثلاً" یہ چیزیں ہم گھروں میں نہیں لے جاتے فقہ میں ایک قاعدہ ہے آپ نے یہ انگوٹھی پہنی ہے غسل واجب ہے تو حکم ہے جب غسل کرتا ہے تو اس کو اس طرح پھرا لیں تاکہ اس کے نیچے پانی چلا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ جگہ خشک رہ جائے اس طرح خواتین نے کانوں میں سوراخ کر رکھے ہوتے ہیں بعض دفعہ ان میں زیور ہوتا ہے بعض دفعہ زیور نہیں ہوتا۔ زیور ہو تو زیور کو ہلا لیں تاکہ پانی سوراخوں میں چلا جائے۔ زیور نہ ہوں تو ان سوراخ کو اس طرح مل لیں تاکہ اندر سے گیلے ہو جائیں۔ خشک نہ رہ جائیں۔ خشک رہیں گے تو غسل ادا نہیں ہو گا۔

تو ایک نعمت ہے اس دور کی وہ نیل پالش اب ناخن کا گیلا ہونا ضروری ہے کہ وہ دس پاؤں کے ناخن دس ہاتھوں کے بیس ناخنوں پہ پالش لگی ہے تو جب وہ پالش ہوتی ہے تو پانی اس کے اوپر سے جاتا ہے۔ نیچے سے ناخن تو گیلا نہیں ہوتا۔ نہ اس سے وضو ہوتا ہے۔ نہ اس سے غسل ہوتا ہے۔ نہ اس سے جسم ہی پاک ہوا نہ اس سے جسم نمازی ہوا۔ آپ حلال بھی لے کر گئے اگر اس خاتون نے آٹا گوندھا تو ناپاک ہو گیا۔ گوشت میں ہاتھ ڈالا ناپاک ہو گیا۔ چائے چینی میں ہاتھ ڈالا ناپاک ہو گیا۔ طیب تو نہ رہا۔

تو فرمایا مغفرت کو پانے کے لئے غذا بھی حلال اور طیب چاہئے عقیدہ درست چاہئے۔ عمل میں خلوص چاہئے۔ مزدوری میں جواز چاہئے۔ کھانے میں حلت چاہئے۔ اور اس میں طہارت

چاہئے۔ پاکیزگی چاہئے۔ یعنی اللہ کی بخشش تو برس رہی ہے بارش کی طرح لیکن ہم اگر کسی چٹان کے نیچے چھپے ہوئے ہیں تو ہمیں کیا فائدہ ہم اگر کسی برآمدے میں کھڑے ہوں تو ہم پر تو نہیں پڑے گی۔ ہم اگر کسی کمرے میں ہیں تو ہم پر نہیں پڑے گی۔ یعنی ہم اپنے اوپر سے وہ حجابات ہٹائیں اور اپنے آپ کو اس رحمت کی بارش میں لائیں تو سہی۔

یہ تو میرے بھائی تب ہو گا کہ پہلے ہم خود دین سیکھیں، ہمیں خود ساری زندگی دنیا بھر کے فنون سیکھتے ہیں۔ وضو کے مسائل نہیں سیکھتے۔ غسل کے مسائل نہیں سیکھتے۔ حلال و حرام ہم خود نہیں سیکھتے۔ پاک پلید ہم خود نہیں سیکھتے۔ اب جب خود نہیں سیکھتے تو گھر کس کو سکھائیں گے۔ خود سیکھیں بھی تو اچھے خاصے مولوی کے گھر بھی جاننے والے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ خواتین کو بتانے کا اہتمام ہی نہیں کیا جاتا۔

ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ خاتون معاشرے کا حصہ ہی نہیں ہے نہ اس کا کوئی حساب کتاب ہو گا۔ نہ اس کا کوئی پوچھنے والا ہے نہ اس کے لئے کوئی جنت دوزخ ہے۔ نہ آخرت ہے یہ ایک مشین ہے اس سے بچے پیدا کرو اسے کھانا دو اس سے کپڑے دھلواؤ مرجائے تو اسے زمین پر گاڑ دو اور یہ انتہائی ظلم ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک ایک خاتون مفت میں دوزخ میں نہیں جائے گی۔ اپنے ساتھ چار چار مردوں کو لے کر جائے گی اگر ایک خاتون کو دوزخ میں بھیجا گیا تو چار مردوں کا مواخذہ ہو گا۔ والد سے پوچھا جائے گا کہ تیرے پاس بچی پلی بڑھی تھی تو نے اسے اللہ کا، دین کا، پاکی پلیدی کا، یا حلال حرام کا تصور جس طرح دنیا سکھائی تھی کھانا پکانا اوڑھنا بچھونا اسی طرح دینی تعلیم کا بھی کوئی اہتمام کیا تھا اگر اس نے کوشش کی تو ٹھیک ہے نہیں کی تو وہ بھی ساتھ جائے بھائی کی باری آجائے گی باپ کے بعد کہ وہ ساتھ پلا بڑھا اس نے محنت کی اس کے بعد خاوند کی باری آجائے گی کہ ساری عمر اس کے ساتھ گزاری ساری خدمتیں اس نے لیں سارے کام سکھائے کلب جانا سکھا لیا میٹنگیں اٹینڈ کرنا سکھا لیں۔ جدید لباس پہننے سکھا لئے۔ ڈانس کرنا سکھا لیا دین سکھانا مشکل تھا۔ پھر بیٹے کی باری آجائے گی۔ کہ تیری تو یہ بوڑھی ماں تھی تو ہی اسے بتا دیتا کہ یہ حلال ہے یہ حرام ہے۔ یہ نماز کا طریقہ ہے یہ وضو کا طریقہ ہے۔ اگر کم از کم تم نے بھی اس پر رحم نہیں کیا تو تم بھی اس کے ساتھ جاؤ۔ اسے اکیلا مت بھیجو۔ اللہ کی مخلوق ہیں۔ ہم نے خواہ مخواہ اپنے کو کوئی سپریر مخلوق سمجھ لیا ہے۔ ورنہ اللہ کے ہاں مرد اور عورت برابر مخلوق ہیں جیسے مرد مکلف ہے ویسے عورتیں مکلف ہیں جیسے مردوں کو قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے ایسے خواتین کو نصیب ہوتا ہے اگر مرد صحابی بنے تو ہر خاتون جو حضورؐ کی خدمت میں پہنچی وہ صحابیت سے سرفراز کی گئی اگر مردوں کو نبوت ملی تو ہر نبی بغیر باپ کے تو عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر دیا۔ لیکن بغیر ماں کے کسی نبی کو پیدا نہیں کیا۔ ہر نبی بھی تو عورت ہی کی گود میں پیدا ہوا۔ یعنی اتنی ناقص تو نہ تھیں اگر اتنی ہی گئی گزری ہوتیں تو انہی کے سینے سے نبیوں کو غذا ملنی تھی؟ انہی کے خون جگر سے نبیوں کی پرورش ہونی تھی؟ انہی کی گودوں میں نبیوں کو پیدا کرنا تھا؟ لیکن یہ ہم ہیں جنہوں نے معاشرے میں یہ ظلم روا رکھا ہے۔ جو قبل بعثت نبوت تھا۔ وہ حال اب پھر پلٹ کر آ رہا ہے کہ عورت کو ہم نے ماں بہن بیٹی سمجھنے کی بجائے پھر ایک مشین سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ تو یہ حلال کے ساتھ جو طیب کی قید ہے۔ یہ تب پوری ہو گی جب خواتین بھی دین سے واقف ہوں گی۔

تو فرمایا نیکی کیا ہوا کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا۔ اللہ کے دیئے میں سے حلال اور پاکیزہ کھاؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ یہی ہے پاک بازی یہی ہے۔ ولایت یہی ہے۔ نیکی یہی ہے کہ اللہ اللہ کے رسول کا حکم مانو۔ خلوص کے ساتھ اطاعت کرو۔ رسومات سے جان چھڑاؤ۔ ہندو دیوالی کرتے تھے سارے مسلمان بھی ان ڈمیوں کو آگ لگا کر اٹھائے پھرتے ہیں یہ کیا ہے پندرہ شعبان منائی جا رہی ہے۔ پٹاخے چل رہے ہیں۔ مشعلیں جل رہی ہیں۔ ڈمیوں کو آگ لگی ہوئی ہے تو کیا اس کا کوئی شرعی ثبوت ہے کیا کرتے ہو کیوں کرتے ہو؟ آج چاول پلاؤ بانٹو دیگ پکاؤ یعنی ہر تہوار پر پیر یا

مولوی کے کھانے کا کوئی نہ کوئی بندوبست ضرور ہے۔ اگر آپ کو بچنا ہے تو ان کی خدمت کرتے رہو بس۔

میں آ رہا تھا پنڈی سے مجھے بڑا دکھ ہوا۔ منڈرہ کے قریب ایک گاؤں آتا ہے۔ جس کے کچھ گھر سڑک کے ایک طرف ہیں کچھ دوسری طرف ہیں تو مغرب والے حصے میں وفات ہو گئی کوئی آدمی مر گیا تو وہ جنازہ لے کر شاید ان کا قبرستان مشرقی سمت ہو تو وہ سڑک عبور کرنا چاہتے تھے جب میں پہنچا تو جنازہ سڑک کے اوپر ہی تھا۔ میں نے گاڑی روک لی تو پیچھے سے ٹریفک رکنا شروع ہو گئی۔ پار بھی رکنا شروع ہو گئی۔ شاید کسی جوان کا جنازہ تھا۔ جو بے شمار لوگ عورتیں بچے جنازے کے ساتھ تھے جو پیچھے تھے۔ کوئی مکان کی چھت پر کھڑا ہے کوئی گلی میں کھڑا ہے میں نے سمجھا کسی کا کوئی جوان بیٹا مر گیا ہے۔ تو جوان اگر نہیں تھا تو بہت ہی کسی کی محبوب شخصیت ہو گی۔ بہت معروف آدمی ہو گا۔ تو میں نے جب دیکھا میرے سامنے سے کوئی پانچ سات ڈشیں ساتھ تھیں۔ جنازے کے آگے آگے بداموں کی کچھ زردہ پکا ہوا کسی میں کوئی چلغوزے رکھے ہوئے کسی میں اور کھانے پینے کا کچھ ڈرائی فروٹ تھی۔ کچھ فریش فروٹ تھی۔ کچھ چاولوں کی تو میں سوچ رہا تھا کہ دیکھو اس آدمی کے سارے لوگ دوست نہیں ہوں گے۔ دشمن بھی ہوں گے۔ لیکن ایسی حالت میں یہ مرا ہے کوئی ایسی جوان مرگی کی کیفیت ہے کہ دشمن بھی رو رہے ہیں لیکن ہمت ہے مولوی کی اس کی نظر بادام پستے پر ہے اور کھانے کا انتظام جنازے کے ساتھ ہے اس کا کہ قبر پر بیٹھ کر یہ کھائے گا۔ اور کہے گا کہ تجھے مردہ بخشوا دیتا ہوں۔ یار کتنا ظلم ہے۔ کتنی زیادتی ہے۔ اور کتنا دھوکا ہے۔ دین کے نام پر یہ تو ہندوؤں والی رسومات ہیں ساری۔ ان کا اسلام سے کیا تعلق ہے۔

لیکن یہ صرف مولوی کا قصور نہیں ہے۔ قصور میرا اور آپ کا ہے، جو ہم دین خود پڑھتے نہیں ہیں ہم کیوں تلاش نہیں کرتے مولوی کے باپ کا ہے دین کہ جو وہ بتائے دیتا ہے ہم کہتے ہیں ٹھیک ہے۔ ہمارا دین ہے ہمارا خدا ہے ہمارا نبی ہے۔ ہماری کتاب ہے اگر ہم بھی پڑھیں تو شاید پیشہ ور مولوی ہمیں بھٹکا نہ سکے۔ ہم بات کر سکیں، ہم کہیں جناب یہ بات تو کہیں نظر نہیں آئی جو آپ کہتے ہیں۔ لیکن ہمیں بھی تو دنیا داری میں کوئی نہیں دھوکا دے سکتا۔ ہم نے اگر دو آنے کی حقے کی ٹوپی خریدنی ہو تو سارا بازار دیکھ کر خریدتے ہیں۔ جوتا خریدنا ہو ساری دکانیں پھرتے ہیں۔ دین کے لئے ہم ایک سے دوسرے کے دروازے تک نہیں جاتے۔ ساری زندگی کوئی مسئلہ نہیں سیکھتے۔ ترجمہ نہیں پڑھتے۔ کوئی حدیث نہیں پڑھتے۔ کوئی مطالعہ نہیں کرتے۔ کسی دین دار کے پاس جا کر بیٹھتے نہیں۔ تو میاں دین سیکھئے اور اپنے آپ کو رحمت الٰہی کا محل بنایئے۔ اپنی جگہ کو ایسی جگہ کھڑا کیجئے کہ جہاں واقعی رحمت برس رہی ہو۔ ہم تم چھپروں کے نیچے آ گئے ہیں۔ اس پر خوش نہ ہوتے رہئے کہ رمضان میں بڑی بارش برستی ہے رحمت کی۔ ذرا چھپروں سے بھی نکلنے کی کوشش کیجئے۔ خداوند کریم ہم سب کے حاضر و غائب تمام مسلمانوں کے گناہ معاف فرمائے اور ہمیں نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ ہماری یہ ٹوٹی پھوٹی عبادتیں قبول فرمائے۔

و آ خر دعونا ان الحمد اللہ رب العلمین

انسان اگر ذاتِ باری سے دور ہوتا چلا جائے تو دل انوارات سے خالی ہو کر شیطان کی قرارگاہ بن جاتا ہے۔ پھر جوں جوں دور ہو کر شیطان کو کھل کر کھیلنے کا موقع ملتا ہے کہ ظلمت بڑھتی چلی جاتی ہے لیکن قربِ الٰہی کی صورت میں ابتدا ہی نورانیت کے ظہور سے ہوتی ہے اور جوں جوں ترقی نصیب ہو نورانیت بڑھتی چلی جاتی ہے جس کی وجہ سے ملائکہ مقربین کا نزول قلب پر ہوتا ہے اور اُس کے لیے بشارت، سکون اور اطمینان کا باعث بنتے ہیں۔ (حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہٗ)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآن

شَہْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرَان

کلام باری عزّ اسمہٗ کی خاصیت یہ ہے کہ وہ نہ صرف خود اعلیٰ درجے کے تقدس کا حامل ہوتا ہے بلکہ اسے سننے کے لیے بھی تقدس کا ایک خاص درجہ ضروری ہے۔ اسی لیے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو کلامِ باری سے مشرف ہوتے ہیں وہ معصوم عن الخطاٗ ہوتے ہیں۔ دنیا میں ایسے نیک اور پاکیزہ افراد بھی ہوتے ہیں جو ساری زندگی کبھی کوئی گناہ نہیں کرتے مگر ان میں گناہ کرنے کی سکت موجود ہوتی ہے، ایسے حضرات کو محفوظ عن الخطأ تو کہا جاتا ہے معصوم نہیں معصوم وہ ہستی ہوتی ہے جس میں گناہ کرنے کی ذرّہ بھر استعداد بھی موجود نہ ہو اور نوعِ انسانی میں یہ شرف صرف اور صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوتا ہے۔ ان ہستیوں پہ تو کلام آلٰہی کا نزول ہوتا ہے مگر وہ صرف اُن کی ذواتِ مقدسہ کے لیے نہیں ہوتا بلکہ انسانیت کے استفادۂ عام کے لیے ہوتا ہے۔ سو اس کے معانی و مفاہیم جاننے کے لیے بھی ایک خاص درجے کی پاکیزگی مطلوب ہے۔ جن ایّام میں ان مبارک کلام کا نزول ہوتا ہے۔ انھیں بھی ایک خاص درجہ تقدس کا حاصل ہوتا ہے۔ سو یہ رمضان المبارک وہ مقدس مہینہ ہے جس کو یہ شرف نصیب ہوا کہ کلام باری بارگاہ صمدیت سے بیت العزۃ میں جو آسمانِ اوّل پر ہے نازل ہوا اور وہاں سے بحکم آلٰہی تیئیس برسوں میں تبدریج مکمل ہوا۔ اب ان لوگوں کو جن کے لیے یہ مبارک کلام نازل ہوا، بھی تقدس کا ایک خاص مقام چاہیے تھا کہ وہ اس سے کماحقہٗ فائدہ حاصل کر سکتے۔ سو اللہ کریم نے اس ماہ مبارک میں جہاں رحمتوں کے دروازے کھول دیئے، بخشش عام کر دی وہاں کمال اطاعت کے اظہار کے لیے روزہ فرض کر دیا۔ ویسے تو سارا سال ایک مسلمان کمانے، خرچ کرنے، دوستی دشمنی، تعلقات و عبادات میں اطاعت آلٰہی کا رنگ ہی لیے ہوتا ہے مگر اس ماہ مبارک میں تو ایک خاص وقت سے مقررہ وقت تک حلال کھانے پینے سے بھی رک جاتا ہے اور اسے اللہ کریم کا ایک خاص قرب نصیب ہوتا ہے جس کی دو وجہیں ہیں کہ نہ کھانا پینا اوصاف ملکوتی میں سے ہے یعنی یہ فرشتوں کی صفت ہے اور اس کے باعث ارشاداتِ باری کو قبول کرنے کی استعداد نصیب ہوتی ہے۔ دوسرے روزہ دار کو اللہ کریم سے ایک خاص حضوری حاصل ہوتی ہے مثلاً دوپہر کی گرمی ہے، پیاس کی شدّت ہے، ٹھنڈے پانی کا گھڑا رکھا ہے، کمرے میں کوئی دوسرا انسان موجود نہیں مگر یہ پانی اس لیے نہیں پی رہا ہے کہ اس کا اللہ، اس کا معبود برحق، اس کے پاس موجود ہے۔ ایک بار میں ایک جوہڑ کے کنارے کھڑا تھا جو پکی سڑک کے ساتھ تھا۔ ظہر کا وقت اور رمضان کا مہینہ تھا۔ ایک گڈریا آیا۔ بھیڑوں کا گلہ پانی پر ٹوٹ پڑا مگر اس نے سر سے وہ چادر اتاری جس کا گٹھڑ سا بنا کر سایہ بنا رکھا تھا، وضو کیا اور اللہ کریم کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔ اسے خیال بھی نہ گزرا کہ چند گھونٹ پانی پی لوں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس کے ربّ نے اسے اجازت نہیں دی تھی۔ اور اس کا ربّ اس کے پاس موجود تھا۔ یہ حضوری بھی قبول حق کی استعداد پیدا کرتی ہے۔

اور اس کے ساتھ روزہ صرف بھوکا پیاسا رہنے کا نام نہیں بلکہ زبان کو جھوٹ اور بدکلامی سے روکنے کا نام ہے۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے اگر تمھیں کوئی گالی بھی دے تو کہہ دو میں روزہ سے ہوں۔ ایسے ہی کانوں کو فحش سننے سے روکنا، نگاہ کو فحش نگاہی سے بچانا اور اپنے اعمال کو نافرمانی سے محفوظ رکھنے کا نام روزہ ہے۔ روزہ کا معنیٰ لگام کھینچ لینا ہے، روک لینا ہے، اپنی ساری کوشش سے، اپنی ساری قوت سے اپنے آپ کو ان حدود کے اندر پابند کر لینا جہاں رحمت آلٰہی پوری شدت سے دلوں کو جل تھل کئے دے رہی ہے، جہاں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب کم از کم ستر گنا ہے۔ جس کے ایک دن کا روزہ، جس کی ایک رات کا قیام ساری زندگی کی خطاؤں کو بہا لے جاتا ہے بشرطیکہ دلی کیفیات اور اندرونی جذبات اس کا ساتھ دے رہے ہوں۔ جس مبارک مہینے میں ایک عشرہ ایسا بھی ہے کہ جسے فرصت ہو ساری کائنات سے کٹ کر صرف ربّ کریم سے لو لگا کر بیٹھ جائے۔ اسی کے گھر میں، کسی گوشے میں، کسی نکڑ میں، کسی کونے میں، اور سوائے اللہ کے تب تک کسی سے بات نہ کرے جب تک ضروری نہ ہو، تب تک باہر نہ نکلے جب تک مجبوری نہ ہو۔ پھر اُس کی قدرت کا تماشا دیکھے۔ مگر حضور قلبی شرط ہے۔ کسی صاحبِ دل کی صحبت اور نظر بھی کبھی نصیب ہوئی ہو۔ یہاں ایک رات ایسی ہے جو ہزاروں مہینوں پر بھاری ہے۔ مگر یاد رکھو دل ساتھ لے کر بیٹھنا ورنہ اداکاری ہوگی عمل نہیں۔ اور نتائج عمل پہ مرتب ہوتے ہیں اداکاری پہ صرف چند سکے اور باقی تالیاں۔

اللہ کریم سب مسلمانوں کو رمضان المبارک کی برکات نصیب فرمائے اور عالم اسلام کی ہر حال اور ہر مصیبت میں نگہداشت فرمائے۔

لیلۃ القدر

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ○ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ○ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ

امت مرحومہ کو بہت سے خصوصی انعامات نصیب ہوئے ہیں جن میں سے بیشتر ایسے ہیں جو پہلی امتوں کو ان میں سے حصہ نہیں مل سکا۔ انہی میں سے ایک انعام باری یہ بھی ہے کہ لیلۃ القدر نصیب ہوئی۔ لیلۃ القدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ آراء تو مختلف انداز سے مختلف مواقع، مختلف راتوں کے متعلق ہیں لیکن سب کا ماحاصل یہی ہے اور علماء کا اتفاق اس بات پر ہے کہ آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات بھی ہو سکتی ہے اکیس ہو، تئیس ہو، پچیس ہو، ستائیس ہو، انتیس ہو پھر اس میں بڑی عجیب بات یہ ہے کہ

سید عبدالعزیز رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ضروری نہیں ہے کہ ایک ہی رات ہر جگہ پر ہو۔ اللہ کریم کا عجیب انعام ہے کہ بعض خطہ ہائے زمین پر ایک رات ہوتی ہے کسی دوسرے خطے پر دوسری، کسی تیسرے خطے پر کوئی تیسری تو اسی طرح اس آخری عشرے کی تمام طاق راتوں میں سے اس تجلی کا نزول کسی نہ کسی خطے پر ہوتا رہتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ سارے عالم میں ایک ہی رات ہو اور ایک ہی وقت پر ہو۔ ایک تو ویسے بھی راتوں میں تقلوت ہے۔ دنیا میں کوئی بھی رات ایک ہی وقت روئے زمین پر نہیں ہوتی۔ مختلف ممالک میں اس کے اوقات مختلف ہوتے ہیں۔

خصوصیت اس کی سب سے بڑی رب جلیل نے جو خود ارشاد فرمائی ہے تو سب سے بڑی خصوصیت اس کی یہ ہے کہ اس رات میں قرآن حکیم کا نزول ہوا۔ قرآن حکیم کا نزول فی نفسہ اپنا ایک الگ مقام رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر متکلم، ہر کلام کرنے والے کی ذات کا پرتو اور ایک اثر ہوتا ہے۔ یہ چونکہ اللہ جل شانہ کا ذاتی کلام ہے تو جو تجلی ذاتی اور جو کیفیات اس کلام کے ساتھ مخلوق کو نصیب ہوئیں یا مخاطب کو نصیب ہوئیں یا ان کا جو اثر کائنات بسیط پر پڑا وہ صرف نزول قرآن ہی سے ممکن تھا۔ اس اثر کا اور اس تجلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے علاوہ جتنی بھی راتیں گزرتی ہیں اگر ایک ہزار مہینہ مسلسل ایسا گزرے اس میں عبادات بھی نصیب ہوں ایمانیات بھی نصیب ہوں نیکی اور ورع تقویٰ بھی نصیب ہو اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے یا جہاد یا تلاوت یا اعلیٰ ترین ذکر اذکار عبادات نصیب ہوں اور پورا ہزار مہینہ مسلسل اس میں کوئی انقطاع نہ آئے۔ ہزار مہینے کے کچھ

اسی بیاسی تراسی کے قریب بنتے ہیں سال۔ وہی تقریباً" تراسی چوراسی کے قریب سال بنتے ہیں۔ یعنی اتنے سالوں میں وہ شخص سوئے نہیں کھائے پیئے نہیں۔ غفلت کا لمحہ اس پر نہ آئے تمام لمحات حضوری میں بیت جائیں جو عقلاً" محال ہے۔ پھر بھی لیلتہ القدر کا لمحہ جو ہے وہ اس سے بہتر ہے۔ یعنی ایسا اگر ممکن ہو جو انسان کے لئے عقلاً" ممکن نہیں ہے کہ اسے اتنی زندگی ملے یا اتنی زندگی ملے کہ وہ ساری اتنی زندگی با شعور ہو۔ اس میں کچھ بچپن' کچھ بوڑھاپے' کچھ بیماری' کچھ صحت' کچھ مصروفیات' بے شمار حوادثات کی نظر ہو جاتی ہیں۔ اگر آدمی کو ہزار سال بھی زندگی ملے تو اس میں بھی اس کا سو برس جو ہے وہ عافیت کا نہیں ملتا کہ وہ یکسو ہو کر مسلسل ایک کام کرتا رہا ہو۔ تو اگر کسی کو یہ ایک صدی لم سم یا تقریباً" ایک صدی نصیب بھی ہو جائے جیسا کہ عقلاً" محال ہے لیکن اگر کسی کو ایسی نصیب بھی ہو تو جو کیفیات، قرب رحمت الٰہی کو پانے کا جو لمحہ اور جو کیفیت جو تقسیم کی تعداد انعامات الٰہی کی لیلتہ القدر کی ایک رات کے لمحات میں ہے وہ ان چوراسی سالوں میں نہیں ہو سکتی اور یہ بھی نہیں کہ یہ کوئی تفاضل اس طرح سے ہے کہ یہ اس سے تھوڑی بڑی ہے بلکہ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ اس سے بہت بہتر ہے۔

اب کتنی بہتر ہے دو گنا' دس گنا یا دس ہزار گنا' اس کی کوئی تعین نہیں کی۔ اس لئے کہ اس بہتری کی تعین بھی پھر مختلف طبائع اور مزاج کی نسبت سے مقدار مختلف کی جاتی ہے۔ یعنی کم از کم یہ جو بتایا گیا ہے' ہزار مہینوں سے بہتر یہ اس شخص کے اندازے سے ہے کہ جو تمام مسلمانوں میں سے کم تر درجے کا مسلمان ہو' عمل کے اعتبار سے' ورع تقویٰ کے اعتبار سے۔ یعنی تھوڑے سے تھوڑا جسے ملے اسے بھی ایک ہزار ماہ سے زیادہ کی کیفیت نصیب ہو۔ اب اس پر آپ زیادتی کرتے چلے جائیں تو لوگ کتنے کتنے آگے ہیں کتنے کتنے منازل پر ہیں کیسے کیسے لوگ ہیں۔ علماء کا اپنا مقام ہے۔ اس میں شہداء کا اپنا مقام ہے۔ صلحاء کا اپنا مقام ہے اس میں آئمہ تفسیر' حدیث' فقہ کا اپنا مقام ہے۔ اس طرح تبع تابعین صحابہ کا اپنا مقام ہے۔ پھر صحابہ کے اندر مختلف مدارج تھے۔

انسان چاہے بھی تو اس کے مدارج کی تعین انسان کے بس کی بات نہیں یعنی یہ جو معیار رب جلیل نے ارشاد فرمایا یہ وہ معیار ہے جو کم از کم ہے۔ اور علماء کے نزدیک جو شخص عشاء کی نماز پا لیتا ہے پھر فجر کی نماز پا لیتا ہے اس نے لیلتہ القدر کی رات پا لی۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی نے ساری رات ہی مسجد میں گزاری یا کسی نے ساری رات ذکر اذکار میں یا تلاوت میں گزاری۔ اس نے اس پر مزید انعامات حاصل کئے اس نے مزید دولت کمائی لیکن جس نے یہ دونوں نمازیں پا لیں' ضائع نہیں کیں' لیلتہ القدر اس نے بھی پا لی۔ شب زندہ دار وہ بھی شمار ہوتا ہے۔ ارشاد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہ " عشاء با جماعت پڑھنے والا فجر با جماعت پڑھ لے تو رات آرام کرے تو وہ قیام الیل شمار ہوتا ہے۔"

اب وہ کیفیات کیا ہیں' ان لمحات میں ہوتا کیا ہے؟ تو دیکھئے انسان کا جو بہت بڑا سلطان ہے اور جس کے لئے اسے اس دنیا میں بھیجا جاتا ہے اور جو اس کی آزمائش اور امتحان ہے' یہ ہے کہ یہ زمینی مخلوق ہوتے ہوئے خاکی انسان ہوتے ہوئے بے شمار احتیاجات رکھتے ہوئے اپنی زندگی کا معیار وہ پیش کرے جو عالم ملکوت کا ہے جو معیار فرشتہ پیش کرتا ہے وہ اس لئے کرتا ہے' اس کے ساتھ بیوی بچے نہیں اس لئے کرتا ہے کہ اس کے ساتھ نفس نہیں اس لئے کرتا ہے کہ اسے شیطان بہکا نہیں سکتا اس لئے کرتا ہے کہ اس کے ساتھ ضرورتیں نہیں۔ اسے بھوک نہیں' اسے نیند نہیں اسے کوئی غم نہیں۔ کسی کا کوئی فکر نہیں۔ اس کا کوئی رشتہ نہیں' کوئی بیوی نہیں' کوئی بچہ نہیں' کچھ بھی نہیں سوائے اطاعت الٰہی کے۔

لیکن انسان کا کمال یہ ہے کہ یہ تمام ان مراحل سے گزر کر اپنی زندگی کا وہ معیار پیش کر دیتا ہے اطاعت الٰہی کے لئے جو فرشتہ نوری مخلوق ہو کر نہیں کر سکتا اس کی مجبوریاں اس کی ضرورتیں' اس کی نیندیں اس کی بھوک پیاس اس کی غربت اس کا افلاس' اس کی بیماریاں اور بے شمار عوارضات اس کا دامن پکڑنے والے ہیں لیکن یہ ان سب کو جھٹک کر اپنی زندگی کا

معیار یہ پیش کرتا ہے کہ دنیا کا کوئی عزیز ترین شے اسے اپنی طرف اس طرح متوجہ نہیں کر سکتا کہ یہ اللہ کے قرب کو اللہ کی اطاعت کو چھوڑ کر اس کی طرف بڑھے۔ دنیا کا کوئی آرام اس کا دامن نہیں کھینچ سکتا باوجود اس کے کہ اسے اس کی ضرورت ہوتی ہے لیکن یہ اس آرام کو قبول کرتا ہے جس کی اجازت رب العٰلمین دیتے ہیں۔ کوئی عیش کوئی اقتدار یا کوئی بھی دوسری سہولت جس کا یہ عام محتاج ہے وہ قربان کرتا چلا جاتا ہے اور کمال انسانیت یہ ہوتا ہے کہ صفات ملکوتی اختیار کی جائیں۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ دیو بند کے بانی تھے نہایت معتبر عالم ہونا تو ہر ایک جانتا ہے بہت پائے کے صوفی اور صاحب حال بھی تھے۔ پنڈت سرسوتی کا اس زمانے میں بہت چرچا تھا۔ اسے سرسوتی کا لقب ہندوؤں نے اس لئے دیا تھا کہ وہ سر کی بیوی کو سرسوتی کہتے ہیں۔ ہندوؤں کا خیال تھا کہ یہ دیوانند کی زبان پر دیوی بات کرتی ہے۔ اس قدر اس کا مقام تھا' ہندوؤں میں۔ یہ وہ آدمی ہے جس نے سرزمین ہندوستان یا کشمیر میں شدھی کی تحریک شروع کی تھی۔ مسلمان کو ہندو بنانے کی بہت بڑی تحریک تھی وہ۔ اس کا بانی دیوانند تھا۔ اس کے ساتھ علماء مناظرہ کے لئے جاتے ہندو مذہب کو غلط ثابت کرنے کے لئے اور یہ بہت پڑھا لکھا شخص تھا عام آدمی اس کے مقابلے میں نہیں ٹھہرتا تھا۔ مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کا اس کے ساتھ مناظرہ طے پایا۔

مناظرے کا یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ دونوں طرف کے کچھ لوگ مل کر شرائط مناظرہ طے کرتے ہیں ان میں یہ ہوتا ہے کہ وقت کتنا کتنا ہو گا۔ دلیل کونسی پیش کی جائے گی۔ مثلاً" وہ کہہ دیتے ہیں کہ جو دلیل پیش کرو وہ کتاب بھی پیش کرو۔ کتاب پاس نہیں ہے تو وہ دلیل قابل قبول نہیں یا جو اس طرح کی شرطیں ہوتی ہیں تو دونوں طرف سے جو جج مقرر ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کی شرائط کی نگرانی کرتے رہتے ہیں کہ اس کی خلاف ورزی نہ کریں۔

تو حضرت کے ساتھ کافی علماء رہا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ حضرت کے ساتھ رہ کر تربیت حاصل کرتے تھے۔ ذکر اذکار کی بھی اور علمی میدان میں بھی جو چوٹی کے مسائل تھے وہ آپ کی مجلس میں بیان کرتے تھے تو آپ نے علماء کو اپنی طرف سے شرائط مناظرہ طے کرنے کے لئے بھیج دیا۔ شرائط بتا کر دیئے اور پنڈت دیوانند سرسوتی کے پاس تشریف لے گئے۔ اس کے ساتھ بالمشافہ گفتگو ہوئی۔ تو شرائط مناظرہ طے کرتے ہوئے اس کا کھانا آ گیا۔ ہندومت میں ہر فرد اپنا کھانا الگ سے کھاتا ہے۔ ہندو کبھی مل کر نہیں کھاتے گھر کے اگر پانچ افراد ہیں تو پانچ چیزوں میں الگ الگ چیزیں رکھ کر پانچوں اپنا اپنا لے کر الگ الگ جگہ پر بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ ان میں کسی کی شراکت نہیں ہوتی کھانے میں۔ تو ان میں بھی ایک آدمی کا کھانا بہت بڑی چیز تھی' تانبے کی مختلف چیزیں تھیں۔ دال روٹی حلوہ پوری جو جو تھی علماء کا خیال تھا کہ یہ دس بارہ آدمیوں کا کھانا ہو گا۔ لیکن ان کا تو ایک ایک آدمی کا ہوتا ہے مل کر کھاتے ہی نہیں۔ وہ ان سے باتیں بھی کرتا تھا اور اپنا کھانا بھی کھاتا رہا اور اس نے وہ تھال خالی کر دیئے۔ شرائط مناظرہ طے کرتا رہا۔ وہ بڑے حیران ہوئے' عجیب بات تھی۔ دس بارہ آدمیوں کا کھانا ایک آدمی کھا گیا۔ خیر انہوں نے آ کر حضرت کو اطلاع دی۔ شرائط جس طرح سے طے ہوئے تھے تو الگ سے کمرہ میں حضرت تشریف فرما رہے الگ والے کمرے میں علماء تھے۔ آپس میں جب وہ بیٹھے تو بات کرنے لگے کہ جہاں تک بات ہے علمی باتوں کی تو وہ الگ ہے لیکن اگر ہمارے حضرت کا مقابلہ ہو جائے اس کے ساتھ کھانے پینے میں تو بڑا مارے۔ فتح اس کی ہو گی۔ دس بارہ آدمیوں کا اکیلا کھانا کھا گیا۔

حضرت نے کہیں سے یہ بات سن لی۔ درمیان میں کوئی دروازہ تھا۔ آپ نے بڑا محسوس کیا۔ آپ حجرے سے اٹھ کر اس دروازے پہ آ گئے اور آپ نے سمجھایا کہ تم لوگ عالم ہو تم یہ کیا کہہ رہے ہو' مقابلہ ہوتا ہے اعلیٰ اوصاف میں رزائل میں کیا مقابلہ ہوتا ہے' کمزوریوں میں اور گھٹیا پن میں مقابلہ نہیں ہوتا۔ مقابلہ ہوتا ہے اعلیٰ صفات میں اور ملکوتی صفت یہ ہے کہ کھانا نہ کھایا جائے اور حیوان کی صفت یہ ہے کہ کھانا بے تحاشا کھایا جائے۔ اگر دس بارہ آدمیوں کا کھانا وہ کھاتا ہے اور مقابلہ کرنا پڑا

تو ہم بھینسا ساتھ باندھ دیں گے' وہ مقابلہ کرے گا۔ اس کے لئے کسی انسان کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے جو کام ایک جانور کر سکتا ہے جو وصف گھٹیا ہے تم عالم ہو تمہیں سوچنا یہ چاہئے تھا کہ اس کو کبھی میرے جتنی خوراک ملے۔ لیکن میں اس پر زندگی بسر کرتا ہوں اگر اس غذا پہ اسے بسر کرنی پڑے تو یہ تو مر جائے گا۔

تو آپ نے اس بات پہ بڑی سخت گرفت فرمائی کہ مقابلہ جو ہوتا ہے انسانیت کا وہ ان اوصاف میں ہوتا ہے جو فرشتے کی ہیں جو حاملین عرش کی ہیں جو نوری مخلوق ہیں وہ اوصاف کسی انسان میں پیدا ہو جائیں تو ان میں مقابلہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ انسانیت کا امتحان اس کی آزمائش ہی یہی ہے کہ انسان ہوتے ہوئے روئے زمین پر بستے ہوئے بے شمار حاجات اور ضرورتیں رکھتے ہوئے یہ وہ اعلیٰ اخلاق' اعلیٰ کردار کو اپنائے۔

اور آپ دیکھتے ہیں سب سے بہترین یہ جو کمالات ہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ہوتی ہیں حتیٰ کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کہ آپ تین تین چار چار روز مسلسل فاقے فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ پوری حیات طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کسی دن کے دو وقت ایسے نہیں گزرے کہ پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو۔ پوری حیات طیبہ میں کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو وقت صبح اور شام پیٹ بھر کر کھایا ہو۔ جسمانی کام بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت فرماتے تھے۔ کوئی اور فرد نہیں کر سکتا' ممکن نہیں۔ ایک چھوٹی سی مثال سے اندازہ لگاؤ کہ مدینہ منورہ میں آکر سال ڈیڑھ سال بعد جہاد کی اجازت ملی۔ تراسی یا چوراسی کے قریب غزوات و سرایہ ہیں اور آٹھ برسوں میں بیاسی یا چوراسی کے قریب ملکی سطح کی جنگیں ہیں جو باقاعدہ دو ریاستوں کے درمیان اسلامی ریاست کے اور کفار کے درمیان ہیں۔ غزوہ اس جنگ کو کہا جائے گا جس کی قیادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس فرمائی ہو اور سریہ اسے جسے کوئی امیر بنا کر آپ نے بھیجا لیکن کمان اس کی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست شفقت میں ہوتی تھی۔ آپ باقی مصروفیات کو چھوڑ دیں۔ نزول قرآن' قرآن کی ترتیب' قرآن کی تجوید' فقہ کی تعلیم' حدیث کی تعلیم' انسانوں کی تربیت' اس کے ساتھ پوری ظاہری حکومت کا ایک سٹرکچر کہ اسلامی ریاست کیسے بنے گی۔ کیسے محکمے ہوں گے۔ پوری دنیا کی حکومتوں کی سفارت سے ملاقات اور اس سارے کے علاوہ اپنے اوقات عبادت اور اس سارے کے علاوہ اسی سے اوپر بیاسی یا چوراسی جہاد بھی حضور صلی اللہ علیہ کے زمانے میں اسی آٹھ سال کے عرصے میں۔

کیا کوئی انسان محض سوچ کر بھی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ ایسا ممکن ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ چند روز کی جنگ قوم کو گھٹا دیتی ہے اور صدیوں کا فاصلہ وہ پیچھے چلے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں SIXTY FIVE (65) میں اور اکہتر میں دو میں جنگیں ہوئیں۔ اور جو اثرات ان جنگوں کے مرتب ہوئے ہیں ہماری معیشت پر' ہماری سیاست پر' ہمارے لین دین پر' ہمارے کردار پر' وہ ہمارے سامنے ہیں۔

لیکن کیا آپ اس حکمران کا اندازہ کر سکتے ہیں جس کے پاس نومولود نوزائیدہ چھوٹی سی ریاست ہو' روئے زمین کا کفر اس کا مخالف ہو اور اتنی کثرت کے مخالفت کے باوجود اس کی مملکت رو بہ عروج ہو۔ امن و امان کے اعتبار سے بھی مالی اعتبار سے بھی۔ انتظامی امور کے اعتبار سے بھی' سیاسی اخلاقی اور مادی اعتبار سے بھی۔ جو معاملہ نورانیت کا یا جو معاملہ اللہ کے قرب کا آپ اسے رہنے دیں۔ یعنی جو معاملات ہر ایک حکومت کو پیش آ سکتے ہیں اسے بھی تو کمال یہی ہے کہ کوئی فرشتہ بھی اتنا نہیں کرتا جتنا اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بندہ ہو کر ثابت کیا کہ انسان کر سکتا ہے۔

یہی حال صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین تابعین' تبع تابعین علمائے حق کی زندگی اہل اللہ کی زندگیوں میں دیکھتے ہیں وہ اتنا کام کر سکتے ہیں جتنا عام حالات میں ممکن نہیں اور اس کے ساتھ اس کی طلب یا ان کی خواہش امور دنیا میں اتنی قلیل ہوتی ہے کہ ان سے کئی گنا کم کام کرنے والے ان سے زیادہ اس کی

طلب کرتے ہیں۔ یہ ہیں اوصاف ملکوتی۔ ایسے کمالات جو فرشتہ کا اور عالم ملکوتی کا خاصہ ہے۔ یہ انسان روئے زمین پر رہتے ہوئے حاصل کرے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں لیلتہ القدر میں ایک اور مزا ہے وہ فرشتے جو حامل ہیں اوصاف ملکوتی کے وہ بھی اور اہل اللہ کی اور اللہ کے بندوں کی انبیاء و رسل علیہ السلام کی اور اہل اللہ کی وہ ارواح جو حامل ہیں اوصاف ملکوتی کی۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ۔ اللہ کریم کے اذن سے وہ ساری ارواح زمین کی طرف نزول فرماتی ہیں کہ وہ اس درجے کی نورانیت اس درجے کی کیفیت ہر آنے والے فرشتے' ہر آنے والی روح کے ساتھ زمین پہ اس کی تجلی ہوتی ہے اور وہ زمین پر پہنچی ہوتی ہے تو پھر زمین کا باسی کوئی تھوڑی بھی کوشش کرے تو اس قدر روشنیاں اس قدر کیفیات اس قدر اوصاف کی چمک دمک ہوتی ہے' تجلیات ذات باری الگ اوقات لیلتہ القدر کی برکات الگ اور حاملین اوصاف ملکوتی'

علماء کے اس میں دو طرح کے خیال ہیں۔ روح سے مراد جبرائیل امین ہیں لیکن اکثر کے نزدیک اور جو زیادہ قرین قیاس ہے وہ الْمَلٰٓئِكَةُ میں آگیا ہے اور اس کے ساتھ "واؤ" عطف کی لگا کر الگ سے روح کا حکم دیا۔ اور اللہ قادر ہیں کہ اگر فرشتے کو برکات بانٹنے کے لئے بھیج سکتے ہیں تو فرشتے سے بدرجہا مقدس ہیں وہ لوگ جو اوصاف ملکوتی حاصل کر کے اللہ کی تجلیات بحیثیت انسان حاصل کر کے دار تکلیف میں مقدس زندگی گزار کر قرب الٰہی کو پا لیا تو جب ملائکہ کا نزول ہو سکتا ہے رحمتیں بانٹنے کے لئے تو ان ارواح کے نزول میں کونسی رکاوٹ ہے کہ آدمی خواہ مخواہ کی تعبیر کرے اور ملائکہ اور روح کے درمیان واؤ عطفی موجود ہے اور واؤ عطف کی ہوتی ہے۔ دو چیزوں کو الگ کرنے کے لئے اگر ایک ہی چیز کا ذکر ہو تو اس میں واؤ عطف کی نہیں آتی۔ یہ عام سا قاعدہ ہے قرآن کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بات کو لمبا نہیں کرتا۔ کم الفاظ میں بے شمار معانی کو سمیٹ لیتا ہے۔ تھوڑے سے تھوڑے الفاظ استعمال کر کے بڑے سے بڑے معانی اور مضامین کو بیان کر دیتا ہے تو پھر ملائکہ اور روح کو واؤ عطفی کے ساتھ الگ الگ بیان کیا ہے تو میرے ناقص خیال کے مطابق میری سمجھ کے مطابق نزول ملائکہ بھی ہوتا ہے اور وہ ارواح انبیاء علیہم السلام کی ارواح مبارکہ مقدس ہیں یا شہداء صالحین اور اولیاء اللہ کی جن سے اکتساب فیض کے لئے ہمیں محنت کر کے مجاہدہ کر کے روحانی طور پر کوئی شخص استعداد حاصل کرے کہ ہماری روح برزخ میں پہنچ سکے اور ان سے استفادہ کر سکے۔ اس رات میں وہ ارواح زمین پر نزول فرماتی ہیں کہ کوئی چاہے تو یہاں بھی وہ کیفیات سمیٹ سکے۔ اب یہ ان لوگوں پہ منحصر ہے جو دار تکلیف میں زندہ اور موجود ہوتے ہیں کہ وہ اس سے کتنا استفادہ کرتے ہیں۔

تو اس میں یہ تین بہت بڑی باتیں آگئیں ایک خود تجلیات باری کا نزول کلام باری کے ساتھ' بیشتر علماء کا خیال یہ ہے کہ عالم تخلیق کی طرف قرآن کا نزول جو ہے اسی رات میں ہوا۔ اس کے بعد لوح محفوظ میں رہا پھر رفتہ رفتہ نازل ہوتا رہا عالم تخلیق میں جب وارد ہوا تو وہ لیلتہ القدر کی رات تھی۔ اور وہ تجلیات ذاتی جو کلام کے ساتھ بطور برکت ذاتی ہوتی تھیں۔ اس کے نتیجے میں شب کے لمحات میں وہ برکت رکھ دی گئی کہ اگر ایک ہزار مہینہ مسلسل حضوری میں گزر جائے تو وہ کیفیت حاصل نہ ہو جو لیلتہ القدر کی زندگی کی ایک رات میں عطا ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ آگئی کہ اوصاف ملکوتی کو حاصل کرنا انسانی جدوجہد کا مقصد ہے انسانی حیات کا مقصد ہے کارگاہ عالم کی اس منڈی سے جو کچھ انسان نے خرید کر لے جانا ہے وہ اوصاف ملکوتی میں سے کہاں تک کما لیتا ہے تو ان اوصاف کے حامل۔ جب آپ کسی کو انجینئر بنانا چاہتے ہیں تو اس کا انجینئرز کے ساتھ اس کا رکھنا ہی آپ کے لئے اس کی بہت سی مشکلات کا حل بن جاتا ہے۔ آپ کسی کو ڈاکٹر بنانا چاہتے ہیں تو اس کی کلاس لینے کے ساتھ ساتھ اس کے رہنے کا اہتمام بھی ڈاکٹروں کے ساتھ کر دیں اس کے کمرے میں سارے ڈاکٹر بھی رہتے ہوں تو وہ رہنا اس کی کلاس سے زیادہ کام دے جائے گا۔ اسی طرح کسی بھی

شعبہ زندگی میں آپ یہ دیکھ لیں کہ عام تجربے کی بات ہے کہ اگر اوصاف ملکوتی بھی انسان پانا چاہتا ہے تو اس کے گرداگرد عالم ملکوت کو ہی پھیلا دیا جائے کہ ذکر کرے سجدہ کرے تلاوت کرے تو اس کے گرداگرد اس کی ذاتی کوششیں بھی اور اس کا سارا ماحول جو ہے وہ ان ملائکہ یا ان ارواح سے بھر دیا جائے جو اوصاف ملکوتی کے اعلیٰ ترین حاملین میں سے ہوں تو یہ الگ سے ایک بہت بڑی بات ہے۔

اور فرمایا یہ اللہ کی عطا ہے' فرشتے جو ہیں بِاِذْنِ رَبِّهِمْ یہاں جو اسم صفاتی' صفاتی نام میں سے استعمال کیا گیا ہے ربوبیت ہوتی ہے۔ ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت پر ہر آن' ہر طور' ہر جگہ پوری کرے بِاِذْنِ رَبِّهِمْ سے مراد یہ ہے کہ یہ سارا اہتمام کیا ہی انسان کو بہترین بدلہ بہترین اجر یا بہترین کیفیات عطا کرنے کے لئے ہے۔ محض تکلف نہیں ہے یہ عطا کے سامان ہیں۔ سارے ربوبیت کے نتائج ہیں۔ سارے اس کی بخشش اس کے کرم اور اس کی جود و سخا کے مدارج ہیں۔ اور فرمایا مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۙ سَلٰمٌ ہر ہر پہلو میں انسان کے لئے سلامتی کے دروازے کھلے ہیں۔ چھوٹے کام سے لے کر بڑے کام تک جس جس کام میں وہ اپنے کو اللہ کی اطاعت کے قریب لے جاتا ہے اللہ کی نافرمانی سے اجتناب کرتا ہے اسی پہلو پر وہ سلامتی کو اپنے گرد موجود پاتا ہے۔

اور فرمایا ایک لمحہ نہیں ایک پل نہیں هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ جب تک طلوع فجر نہیں ہو جاتی آپ کا رمضان کا روزہ بند نہیں ہو جاتا۔ شام سے لے کر رات جب شروع ہوتی ہے مغرب کی نماز رات کی نمازوں میں شمار ہوتی ہے۔ رات شروع ہو جاتی ہے اور طلوع فجر تک فرمایا ساری رات کا عالم یہی ہوتا ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ کون اپنا دامن پھیلاتا ہے' کون اپنا برتن سیدھا رکھتا ہے۔ کون اس میں سمیٹنے کی کرتا ہے کون اپنا برتن الٹ دیتا ہے۔ تو اس طرح کی عطا کے وہ اسباب اور وہ مواقع مہیا کئے جاتے ہیں جن کا جب عطا ہوتا ہے تو اندازہ کرنا بھی انسان کے بس میں نہیں۔

اب انسان کے لئے ایک بات باقی رہ جاتی ہے کہ وہ کونسا راہ اختیار کرتا ہے۔ تو میرے ناقص خیال کے مطابق معتکفین میں سے کوئی محروم نہیں رہے گا۔ کیونکہ ان کی ہر رات قیام الیل شمار ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے۔ یہ الگ بات ہے' علماء نے بھی اس پر لکھا ہے کہ ہر مستفید ہونے والے کے لئے اس کا مشاہدہ ضروری نہیں ہے بلکہ اس نے جو اللہ کی یاد میں یا ذکر اذکار میں نمازوں میں باقاعدگی یا اور جو عبادت ہوتی ہے وہ کرنا ضروری ہے اس کے اجر میں زیادتی ہو جاتی ہے۔

کیفیات کا یا اجر کا یا ثواب کا فلسفہ میں نے عرض کیا تھا' وہ آپ جانتے ہیں۔ ثواب اس کیفیت کا نام ہے جو ہمیں گناہ سے متنفر اور نیکی کی طرف راغب کر دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اعمال پر ثواب مل رہا ہے۔ اور اگر خدانخواستہ گناہ سے نفرت پیدا نہ ہوئی نیکی پہ رغبت پیدا نہ ہوئی۔ زندگی کی ڈگر نیکی کی طرف نہ بدلے تو سمجھا جائے گا کہ اعمال پر ثواب نہیں مل رہا۔

میدان حشر میں جو چیز بطور انعام یا مجسم ہو کر یا وجود کے ساتھ ثواب کی صورت میں ملے گی۔ وہ انہی لمحات کا اجر ہو گا جو ہماری زندگی کو مثبت رخ دیتے ہیں اور جسے سزا کہا جاتا ہے وہ انہی لمحات کو مجسم کیا جائے گا جو لمحات ہمیں اللہ کی بارگاہ سے دور کرنے کا سبب بنے۔ گناہ کی رغبت دلانے کا سبب بنے تو یہ ایک بہترین معیار ملا ہے کہ ہمیں کیا مل رہا ہے۔ یا ہم کیا کھو رہے ہیں۔ تو ہر متنفس کے لئے محض اس پر رہنا کہ میں نے اتنے نفل پڑھ لئے اور اتنا ثواب ہو گیا میں سمجھتا ہوں' میں اس کا قائل ہی نہیں ہوں۔ اس لئے کہ اللہ نے انسان کے لئے کسی غلط فہمی کا امکان باقی نہیں رہنے دیا۔ ہر ثواب کا جس عبادت پر وعدہ ہے۔ ہر اس ثواب کا اثر ہے کہ نیکی کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور برائی سے نفرت پیدا ہوتی ہے خواہ وہ تقریر کا ثواب ہو خواہ وہ کسی نماز روزے حج زکوۃ کسی بھی نیک عمل کا جو ثواب ہے اس کا اثر عملی زندگی پر لازمی یہ ہوتا ہے اور اگر یہ اثر نہ ہو تو سمجھنا چاہئے انسان کو کہ میں نے وہ عمل شاید خلوص سے نہیں کیا یا سنت کے مطابق حکم نہیں کیا جو کچھ کیا ہے وہ اللہ کی

اطاعت کے مطابق یا اس کے حکم نہیں کیا' کہیں نہ کہیں کوئی بھول لگی ہو گی کوئی کمی رہ گئی ہو گی کوئی ٹھوکر لگی ہو گی اور یہ محاسبہ اس لئے ضروری ہے کہ ہر آدمی کے پاس ایک ہی دفعہ زندگی ہے' اکیلا موقع دیا جاتا ہے۔ کوئی بھی شخص اس موقع کو ختم کر کے اگر وہاں کہے گا تو اسے دوبارہ موقع نہیں دیا جائے گا۔

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اس دن سے پہلے حساب کیا کرو جب تم سے حساب لیا جائے گا۔ قیامت پر حساب کو نہ چھوڑو۔ اپنا محاسبہ خود کیا کرو کہ میں کس طرف جا رہا ہوں' میری زندگی میں میری سوچوں میں' میرے افکار' میرے کردار میں کس طرح کی تبدیلی آ رہی ہے۔ میرے قدم کس طرف اٹھ رہے ہیں۔ یہ اندازہ کرتے رہنا چاہئے۔

اللہ کریم ہماری ٹوٹی پھوٹی کوششوں کو شرف قبولیت سے نوازے۔ ہمیں نیکوں میں زندہ رکھے۔

دعائے مغفرت

سلسلہ کے ساتھی مستری عنائیت (منڈی بہاؤ الدین) کے وا

ماجد خان محمد ۲۸ دسمبر کو وفات پا گئے ہیں۔ ساتھیوں سے دعا

مغفرت کی اپیل ہے۔

گلگت کے ساتھی محمد ارشاد کے والد محترم انتقال فرما گ

ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

داخلہ برائے آٹھویں جماعت

صفارہ اکیڈمی دارالعرفان چکوال

تحریری امتحان - ۲۴ مارچ 1994ء
وقت - دو بجے دوپہر

انٹرویو ——

انٹرویو - ۲۵ مارچ 1994ء
وقت - دس بجے صبح

امیدوار اگر ۲۳ مارچ نمازِ عشاء تک پہنچ جائیں تو اُن کے رات قیام کا بندوبست ہوگا۔ البتہ سردی کا بستر اپنا ضرور لیتے آئیں۔

پرنسپل صفارہ اکیڈمی

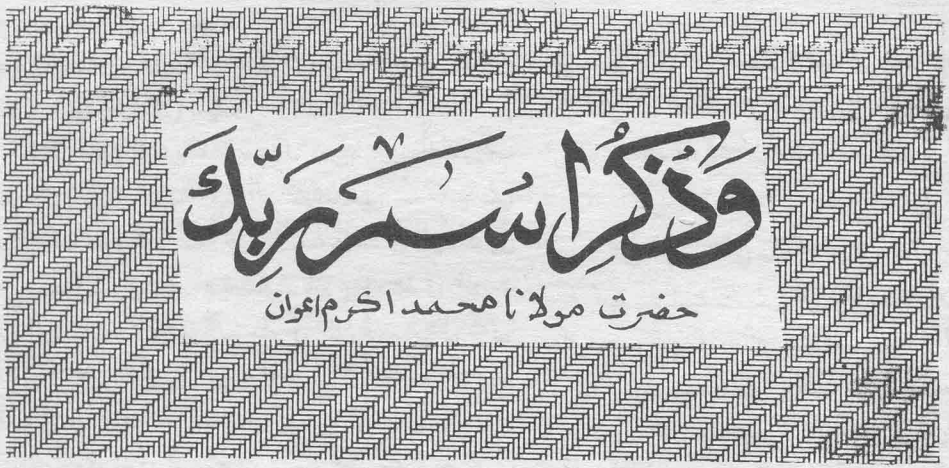

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا

اللہ کا جو کہ بہت بڑا رحم کرنے والا اور اتنا بڑا شان رحمانیت کا مالک ہے کہ جس کی شان رحمانیت سے دار دنیا میں تو وہ بھی فائدہ اٹھا رہا ہے جو اس کی عظمت کا اقرار نہیں کرتا لیکن دنیا فانی ہے، وقتی ہے، حقیقی فائدہ اس کی یاد، اس کے ذکر، اس کی رضا اور اس کی رحمت سے تعلق ہے جو دائمی ابدی اور اخروی زندگی سے متعلق ہے۔ جس میں کافر کو یا ایسے انسان کو جس نے اللہ کی معیت کو چھوڑ کر شیطان کی رفاقت اپنے لئے پسند کر لی۔ اسے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ اور قرآن حکیم کا یہ ارشاد کہ رب جلیل خود ایسے آدمی کے ساتھ شیطان کو مقید کر دیتے ہیں پکا پکا نتھی کر دیتے ہیں، لگا دیتے ہیں۔

نُقَيِّضْ لَهٗ۔ ہم اس کے ساتھ پابند کر دیتے ہیں۔ شیطان کو وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ۔ جو رحمٰن کے، جو بہت بڑا رحم کرنے والا ہے اس کے ذکر سے جو محروم ہوتا ہے اس سے اعراض کرتا ہے یا اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ یا اس کے لئے اسے فرصت نہیں ملتی۔ اس کے لئے وہ کوشش نہیں کرتا۔ اس کے پاس وقت ہی نہیں بچتا۔ ایک قانون ہے رب جلیل کا، فرماتا ہے نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۔ اس کے ساتھ شیطان کو ہم باندھ دیتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہم جب پریشان ہوتے ہیں، جب ہمارے سامنے تاریکیاں آ جاتی ہیں، ہمیں کچھ سجھائی نہیں دیتا، ہم چاہتے ہیں کہ اس تاریکی، اس ابہام، اس پریشانی سے ہمیں کوئی روشنی کی کرن، کوئی راستہ، کوئی باہر جانے کی راہ ملے لیکن اس کے لئے پھر ہم شیطان ہی کو ساتھ رکھتے ہیں۔ یعنی اس کا اصل علاج تو یہ ہے کہ ہم شیطان سے خود کو جدا کریں اور معیت باری جل سبحانہ کو، معیت الہیہ کو، اللہ کی معیت کو حاصل کریں۔ جب تک شیطان ساتھ بندھا رہے گا، تاریکی اور شیطان ایک چیز کے دو نام ہیں۔ پریشانی اور شیطان ایک چیز کے دو نام ہیں۔ رسوائی اور شیطان ایک چیز کے دو نام ہیں۔ ناکامی اور شیطان ایک چیز کے دو نام ہیں۔ ہماری سمجھ میں تھوڑا سا پھیر ہے ورنہ رسوائی کیا ہے۔ شیطان ہی کا ایک نام ہے۔ اس کے تعلق سے اس کی بات ماننے سے یا اس کے زیر اثر چلنے سے رسوائی ہوتی ہے۔ پریشانی رسوائی کا پھل ہے۔ نقصان شیطان کے ساتھ کا ایک حتمی اور یقینی نتیجہ ہے۔ منطقی نتیجہ ہے الٹی میٹ ریزلٹ ہے۔ تو جب ہمارے ساتھ ایک شیطان پکا پکا بندھا ہوا ہے آپ کہتے ہیں کہ میرے ہاتھ پر انگارا رکھا رہے لیکن میں جلوں نہیں بھئی عجیب بات ہے اگر مطالبہ ہے کہ دم کر دو کہ میرا ہاتھ جلے نہیں۔ دم کر دو کہ مجھے تپش محسوس نہ ہو۔ کوئی دم کر دے کہ

مجھے پریشانی نہ ہو۔ کوئی دم کر دو کہ اس سے دھواں نہ نکلے تو تم آگ چھوڑ ہی کیوں نہیں دیتے۔

اصل علاج تو اس کا یہ ہے کہ میرے بھائی آگ پھینک کیوں نہیں دیتے۔ جب آپ آگ پھینک دیں گے' جب میں آگ پھینک دوں گا تو مجھے کسی دم کرنے والے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ کسی سے تعویذ لے کر بازو پر باندھنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ ہاتھ پر آگ ہے ہی نہیں تو یہ پریشانی ناکامی' نامرادی مسلسل تاریکی مسلسل گھبراہٹ مسلسل دباؤ مسلسل ایک عذاب کی سی کیفیت' یہ ایک لازمی نتیجہ ہے شیطان کی رفاقت کا۔ جسے ہم دنیوی زندگی میں محسوس کر کے گھبرا اٹھتے ہیں۔ اگر ہم کبھی تنہائی میں بیٹھ کر اپنی آخرت کو سوچیں اور اس کا تجزیہ کریں' کبھی اگر ہم بیٹھ کر یہ سوچیں کہ آج ابھی اسی وقت میں مر جاؤں' میرا دم نکل جائے تو میں فرشتوں کے سامنے کیا جواب دوں گا جو ان کے سوال ہیں' ان کا میرے پاس کیا جواب ہے۔ میرے پاس قبر میں جانے کے لئے کیا کچھ ہے۔ اٹھ کر میدان حشر میں جاؤں گا تو کیا کچھ لے جاؤں گا۔ تو ہمیں پتہ چل جائے گا کہ ہم تو صرف دنیا کے لئے پریشان ہو رہے ہیں۔ آخرت بھی نہیں ہم جو پریشان ہوتے ہیں کہ جی یہ پریشانی ہے' وہ پریشانی ہے۔ سب دنیا کے لئے ہے۔

اگلے دن ایک ملا لکھا تھا۔ فلاں پریشانی ہے۔ فلاں پریشانی ہے۔ سب کے لئے کوئی وظیفہ بتایئے۔ ایسی دعا ہو جو مختصر بھی ہو اور ایسی بھی ہو کہ صرف ایک نماز کے ساتھ پڑھی جا سکے کہ پانچ نمازیں نہ پڑھنی پڑیں۔ اب آپ اندازہ کریں کہ دنیا کے شدائد ایسے ہیں جو بہت جلالی فوراً مادی نگاہ سے نظر آ رہے ہیں اور ہم اتنے الجھے ہوئے ہیں اس میں کہ آخرت کی طرف ہماری توجہ نہیں۔ اس لئے اس طرف سے ہم بے فکر ہیں۔ کہتے ہیں کہ چلو نمازیں نہ پڑھیں' روزے نہ رکھیں' اللہ اللہ نہ کرنی پڑے لیکن پریشانیوں سے چھوٹ جائیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس چھوٹنے چھوٹنے کے لالچ میں ہر شخص مزید پھنستا رہتا ہے۔ بڑی سادہ سی بات ہے کہ چھوٹنے چھوٹنے کی امید میں ہر آدمی مزید پھنستا چلا جاتا ہے کیونکہ اس چھوٹنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ جو آگ ہاتھ پر رکھی ہے وہ انگارہ جو ہم نے اپنے دامن میں چھپا رکھا ہے وہ جو بابے بلھے شاہ نے کہا تھا نا۔

تیری بکل دے وچ چور

بھئی آپ تو لاٹھی لے کر شہر میں تلاش کرتے ہیں اور چور کو آپ نے اپنے پہلو میں چھپا رکھا ہے۔ چور تو آپ کے پہلو میں ہے۔ آپ کی آستین کے اندر آپ کی قمیض کے اندر۔ آپ کی بنیان کے اندر۔ آپ کے سینے کے اندر ہے۔ جب آپ نے دل ابلیس کے سپرد کر رکھا ہے اس میں جب اللہ کی یاد نہیں ہے جب وہ ذاکر نہیں ہے تو اس میں شیطان تو ہو گا۔ تو انہوں نے بڑے سادہ سے الفاظ میں بچگانہ معصومانہ سادہ سی پنجابی میں فرمایا۔ "تیری بکل دے وچ چور" بھئی تو باہر شور کرتا ہے کہ میرا نقصان ہو گیا' میں لٹ گیا' میں برباد ہو گیا تو چور تو تیری بکل میں ہے۔ پنجابی میں بکل کہتے ہیں نا وہ جو کھیس لے کر ہم لپیٹ لیتے ہیں۔ چادر اسے بکل کہتے ہیں تو چور کو تو تو اپنے دامن میں چھپائے پھرتا ہے اور پھر چیختا کس بات پر ہے۔ تو اس آیت کا وہ ترجمہ بنتا ہے نا نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ۔ کہ ہم اس کے ساتھ شیطان کو پکا پکا جوڑ دیتے ہیں۔ اور وہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔ یہ بطور سزا ہوتا ہے رب کریم کی طرف سے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب سے غیور اللہ ہے۔ سب سے بڑا غیرت مند رب جلیل ہے۔ اور یہ اس کی غیرت کا تقاضا بنتا ہے کہ جب کوئی اسے یاد نہیں کرتا' اس کے لئے جس دل میں جگہ نہیں ہے تو وہاں پھر دشمن خدا تو ہو اور وہ خود مسلط کر دیتا ہے۔ وہ خود فرماتا ہے کہ اگر میرے لئے تیرے پاس جگہ نہیں تو لو اسے رکھ لو ایک تو رکھنا ہو گا تمہیں۔

میں نے کسی قدر اشارہ اس بات کی طرف بھی کر دیا تھا کہ مطلق ذکر سے محرومی تو ایمان سے محرومی ہے۔ مطلق ہی ذکر قلبی سے محروم آدمی ایمان سے محروم ہے۔ اس لئے کہ ایمان کی شرط تصدیق قلبی ہے اور جب دل تصدیق کرتا ہے تو اس کا

مطلب ہے دل نے اللہ کو یاد کیا یعنی ذکر قلبی کا ایک درجہ ادنیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ وہ توحید باری کی تصدیق کرتا ہے۔ رسالت کی تصدیق کرتا ہے۔ ضروریات دین کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ تصدیق قلبی ذکر قلبی کا ایک ادنیٰ ترین درجہ ہے اگر اس سے بھی کوئی محروم ہے تو اس کا ایمان ہی نہیں ہے یہ تو ایمان کے لئے ضرورت ہے۔

اس سے آگے بڑھ کر جن احباب نے یہ تاویل کی کہ ہم تبلیغ کرتے ہیں اور یہی بہت بڑا ذکر ہے' ہم جہاد کرتے ہیں یہ بہت بڑا ذکر ہے' ہم حج کرتے ہیں یہ بہت بڑا ذکر ہے' ہم نے رمضان شریف کے روزے رکھے یہ بہت بڑا ذکر ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ نماز کے بعد ذکر کا حکم ہے۔ میدان جہاد میں ذکر کا حکم ہے۔ قرآن میں موجود ہے حج کے دوران جب ارکان حج جب مناسک حج ادا کر چکو تو فرمایا کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔ اس کے ساتھ اللہ کے ذکر کا حکم موجود ہے۔ پھر اس سے نکل کر ہم تبلیغ' ہماری آپ کی تبلیغ کو چھوڑ دیں۔ انبیاء کو موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو حکم دیا کہ وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي۔ بات کرتے ہوئے میرے ذکر میں کوئی سستی نہ ہو۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو براہ راست خطاب فرماتے ہوئے فرمایا۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ۔ اے میرے حبیب! اپنے رب کے نام کی تکرار فرمائیے۔ تعین ہو گئی کہ خود قرآن میں موجود ہے کہ تعین ہو گئی کہ ذکر سے مراد ہے خود قرآن نے معین کر دیا ہے کہ ذکر سے مراد ہے کہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ کرتے چلے جائیے۔ کتنی دیر تکرار کی جائے فرمایا وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔ اتنی تکرار کی جائے کہ صرف اللہ ہی اللہ رہ جائے' کائنات معدوم ہو جائے۔ ذکر کرتے کرتے صرف اللہ ہی دل میں' دماغ میں' ذہن میں اللہ ہی اللہ رہ جائے۔

تو یہ بات تو حتمی طور پر ثابت ہو گئی اور قرآن حکیم سے بالکل واضح ثابت ہے' کوئی ابہام نہیں کوئی اس میں کسی ایک خاص مکتب فکر کا تعلق نہیں' کوئی اس میں حنبلی شافعی کا جھگڑا نہیں۔ کوئی اس میں حنفی قادری کا جھگڑا نہیں' کوئی اس میں کسی صوفیانہ مسلک کا کوئی فقیہانہ مسلک کا جھگڑا نہیں چونکہ جو بات نص قرآن کریم سے صاف اور واضح ہو جاتی ہے اس پر کوئی نیا مسلک نہیں بن سکتا۔ مسالک ہوتے ہیں ان باتوں میں جن کے کئی پہلو ہوں۔ مثلاً" کوئی ایسا ارشاد جس سے دو پہلو نکلتے ہیں۔ تو ایک مسلک والے ایک پہلو کو ترجیح دے لیتے ہیں۔ دوسرے والے دوسرے کو ترجیح دے لیتے ہیں۔ اور مسالک میں صرف توجیح ہوتی ہے۔ حق و باطل کا جھگڑا نہیں ہوتا صرف ترجیح ہوتی ہے کہ آپ نے جو مفہوم سمجھا اس سے بہتر یہ ہے۔ صحیح آپ کا بھی ہے لیکن یہ اس سے بہتر ہے ہمارے والا' دوسرا کہتا ہے نہیں ہمارا والا بہتر ہے۔ یہی فقہی اختلاف جو آئمہ اربعہ میں ہے اس کی بھی یہی صورت ہے۔ ہر امام کے پاس جو مسلک ہے وہ اس بات کا قائل ہے کہ اسے دوسرے پر ترجیح ہے۔ دوسرے کو باطل کوئی نہیں کہتا ناحق کوئی نہیں کہتا بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ میں کہتا ہوں یہ مفہوم اس سے زیادہ بہتر ہے۔ اس سے زیادہ صحت کے قریب ہے' ہے وہ بھی صحیح۔

اور یہ جو لڑائی جھگڑے تک اور ایک دوسرے کو کفر کے فتوے تک کھینچ کر لے جاتا ہے' یہ روزگار کا مسئلہ اور پیشہ ور لوگوں کا کام ہے۔ جن کا ذریعہ معاش ہی دین ہے وہ اسے ہوا دے کر لوگوں میں ایک صورت حال پیدا کر کے مالی منافع اٹھانے کے لئے بناتے ہیں ورنہ اس کی شرعی صورت نہیں ہے۔

جب یہاں تک بات ثابت ہوئی تو اب سوال یہ ہو گا کہ ذکر کیسے کیا جائے تو یاد رکھیں۔ نماز کے لئے اللہ نے حکم دے دیا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ قرآن اس سے زیادہ کچھ نہیں بتاتا لیکن حدیث رسول اور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اوقات اس کی رکعات' اس کے رکوع' اس کے سجدے' اس کی عبارات اور اس میں جو جتنی حرکات اس کی حالت میں وضو' اس میں لباس تمام اس کے جتنے مالہ وما علیہ جو کچھ اس کے لئے چاہئے تھا اس سارے کو معین کر دیا۔ اپنے عمل سے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ اب اس صورت مسنونہ سے نکل کر کوئی نماز پڑھنا چاہے تو نماز

نہیں ہو گی۔ لباس درست نہیں ہے۔ سمت درست نہیں ہے۔ وضو درست نہیں ہے کوئی جہاں اس کے متعلق قیام درست نہیں ہے۔ یا رکوع درست نہیں ہے۔ یا اس کے متعلق صحیح یا اس کے مطابق نہیں ہے کہیں جہاں سے بھی چھوٹے گا یا کمی بیشی ہو گی نماز درست نہیں ہو گی۔ اس طرح روزہ حج زکوۃ ان تمام عبادات' ان تمام ارکان کے قاعدے طریقے اوقات جگہیں معین و مقرر ہیں۔ لیکن جب بات ذکر کی آئی تو نہ اللہ نے اس کا کوئی ایک طریقہ معین فرمایا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی ایک قاعدہ معین فرمایا کہ اس طرح سے ذکر کیا جائے۔ بلکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے بارے میں پوچھا گیا کہ حضورؐ کا ذکر کیسا تھا تو سیدہ کائنات سیدہ عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہر حال میں ذکر کیا کرتے تھے "عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ" کے الفاظ آتے ہیں۔ اس سے مراد ہے کہ ہر حالت میں کوئی کسی کیفیت میں بھی حضورؐ ہوں غسل فرما رہے ہیں کھانا کھا رہے ہیں' سو رہے ہیں' چل رہے ہیں' بیٹھے ہیں' کسی سے بات کر رہے ہیں' کوئی صورت حال بھی ہے لیکن اس میں حضورؐ کا ذکر جو ہے وہ جاری رہتا ہے۔ ذکر کرتے رہتے ہیں۔

رب جلیل نے بھی یہی فرمایا اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔ وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں' کھڑے ہوں' بیٹھے ہوں' لیٹے ہوں' یعنی ہر حال میں۔ انسان ان تینوں حالتوں میں سے ایک حالت میں ہوتا ہے۔ سو رہا ہوتا ہے' یا بیٹھا ہوتا ہے یا چل رہا ہوتا ہے' کوئی کام بیٹھ کر' کر رہا ہوتا ہے کوئی سو رہا ہوتا ہے۔ لیٹ رہا ہوتا ہے۔ کام کر رہا ہوتا ہے۔ کبھی چل رہا ہوتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے۔ تین میں سے ایک حال میں تو ہوتا ہے۔ چلتا ہو تو بھی کھڑا ہو کر چلتا ہے۔ کھڑا ہو تو بھی کھڑا ہوتا ہے۔ یا بیٹھا ہوتا ہے یا لیٹا ہوتا ہے تو فرمایا ایسے لوگ جو ان تینوں حالتوں میں ذکر ضرور کرتے ہیں۔ اسے بعض احباب نے ذکر زبانی اور لسانی سمجھا لیکن محققین کے نزدیک اس کا مصداق زبانی ذکر نہیں ہے اور جہاں تک میری ناقص رائے ہے میں آپ کو پہلے عرض کر چکا ہوں تو جتنے زبانی اذکار مسنون ہیں جتنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں۔ حضورؐ کے مخاطب وہ لوگ تھے جن کے نہ صرف قلوب بلکہ ہر ذرہ بدن ذاکر تھا۔

قرآن حکیم گواہ ہے صحابہ کی حالت پر۔ قرآن کہتا ہے ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَ قُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔ کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک ہر ذرہ' بدن ان کا ذاکر تھا تو گویا ذاکرین کو پھر زبانی وظائف اور تسبیحات پڑھنے کے لئے حضورؐ نے مسنون وظائف ارشاد فرمائے۔ یعنی ذاکرین کو بھی ضرورت ہے کہ وہ تسبیحات پڑھیں۔ زبانی وظائف جو مسنون ہیں وہ پڑھا کریں۔ اب اس سے یہ ضرورت مراد لے لینا کہ ذکر قلبی کی ضرورت ہی نہیں زبانی وظائف پڑھے جائیں۔ میرے خیال میں یہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ یہ میری ذاتی رائے ہے جو میں سمجھ سکا ہوں کہ کسی کو اختلاف ہو۔ تو اس کی گنجائش موجود ہے لیکن میری عقل یا میرے شعور یا جو کچھ اللہ نے مجھے سمجھایا ہے اس کے مطابق اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے نہیں کہ میں کہتا ہوں اس لئے کہ مجھے اس کے باہر کچھ نظر نہیں آتا' میری رسائی یہاں تک ہے۔

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن لوگوں کو خطاب فرماتے تھے جنہیں آپ نے وظائف عطا فرمائے' جنہیں آپ نے تسبیحات پڑھنے کا حکم دیا جن کو آپ نے کہا تینتیس بار سبحان اللہ تینتیس بار الحمدللہ اور چونتیس بار اللہ اکبر پڑھو۔ جن سے حضورؐ نے کہا سبحان اللہ و بحمدہٖ پڑھا کرو۔ جن سے حضورؐ نے کہا لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ پڑھا کرو۔ وہ لوگ تھے کون کیا ان کا قلب ذاکر تھا یا نہیں۔ تو اصل بات یہ ہے کہ ان کا حال جب ہم اللہ کی کتاب سے پوچھتے ہیں تو اللہ گواہی دیتے ہیں۔ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَ قُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا تزکیہ کیا تھا۔ فرائض نبوت میں سے تھا اور ان کا تزکیہ ایسے ہوا کہ صحابہ کے نہ صرف دل ذاکر تھے کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک ہر قطرہ خون

ہر ہڈی ہر ریشہ ہر بال ہر ذرہ گوشت کا ہر چمڑہ ہر ہر مسام ان کا اللہ اللہ کیا کرتا تھا۔ تو اس سے مراد تو یہ ہے کہ یہ جو زبانی اذکار ہیں یہ ذکر قلبی کا متبادل نہیں ہیں۔ بلکہ ان سے کما حقہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے قلب کا ذاکر ہونا ضروری ہے۔ جو ترجمہ میں کرتا ہوں ان ارشادات کا اس کے مطابق تو یہ ہے ذاکرین کے لئے بنیادی طور پر مسنون وظائف جو ہیں یہ حصہ ہیں یا ان سے فائدہ ہی ان کو ہو گا جن کے دل جن کے وجود ذاکر ہوں گے۔ لطائف روشن ہوں گے۔ اگر نہیں ہوں گے تو یہی حال ہو گا۔ لوگ ساری عمر تسبیحات تو پڑھتے رہتے ہیں۔ اس پر مرتب تو کچھ نہیں ہوتا کیوں نہیں ہوتا جب حدیث شریف میں وعدہ ہے نماز پر اثر مرتب نہیں ہوتا کیوں نہیں ہوتا جب قرآن کہتا ہے ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء و المنکر۔ نماز بے حیائی سے' برائی سے روک دیتی ہے۔ یہاں تو حج بھی نہیں روکتا۔ کسی کو نماز کیا روک لے گی۔ یعنی نماز تو اپنی جگہ رہی' حج کر کے ہم آتے ہیں اور ویسے کے ویسے رہ جاتے ہیں۔ تبدیلی نہیں آتی۔ عملی زندگی نہیں بدلتی۔ عقائد کی اصلاح نہیں ہوتی۔ اعمال کی اصلاح نہیں ہوتی۔ اتنی بڑی بھٹی سے جو نکل کر آتا ہے پھر میلے کا میلا رہتا ہے کیوں رہتا ہے آخر؟ تو میرے خیال میں یہ جملہ فضائل اس کیفیت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جب دل ذاکر ہو۔

ذاکر دل کے ساتھ جب آدمی طواف کرتا ہے رکوع و سجود کرتا ہے تسبیحات ادا کرتا ہے یا پڑھتا ہے' تو اس پر ایک خاص کیفیت ایک خاص اثر مرتب ہوتا ہے اور یہ مسنون لسانی اذکار ان لوگوں کا حصہ ہیں جن کے وجود' جن کے قلوب جن کے لطائف ذاکر ہیں۔ اسی لئے جتنے طریقہ ہائے ذکر رائج ہیں امت مرحومہ میں۔ الا انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں شاہ ولی اللہ رحمتہ نے چودہ یا سولہ سلاسل تصوف کا ذکر فرمایا ہے لیکن یہ چودہ سولہ پر منحصر نہیں یہ بہت زیادہ ہیں انہوں نے بھی معروف طریقے لئے ہیں یہ الگ بات ہے کہ آج ہم میں چار طریقے مشہور ہیں۔ چار پانچ ایسے ہیں جو ان سے تھوڑے کم معروف ہیں لیکن ان کے نام ابھی لئے جاتے ہیں کوئی نہ کوئی مدعی مل جاتا ہے۔ کہ میں اس سلسلے سے تعلق رکھتا ہوں جیسے کبھی کبھی ہماری پنڈی سے مولانا رفاعی صاحب آتے ہیں تو سلسلہ رفاعیہ بھی سید احمد کبیر رفاعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک سلسلہ تصوف جاری ہوا تھا۔ جس کے نام پر رفاعی لوگ کہلاتے ہیں۔ اسی طرح مختلف بزرگوں کے سلسلے معدوم ہو جاتے ہیں لیکن یہ چار سلاسل تصوف کے بہت مشہور ہیں۔

ان چاروں میں بھی چشتی قادری نقشبندی سہروردی جو ہیں ان میں بھی اصل جو ہے ان سب کی وہ ذکر قلبی ہے طریقہ اس لئے صرف اس لئے مختلف ہے کہ نقشبندیوں کے علاوہ باقی تینوں سلاسل کے لوگ ذکر لسانی سے شروع کراتے ہیں لیکن کراتے اس لئے ہیں کہ ایک ردم بن جائے یکسوئی حاصل ہو جائے۔ توجہ ایک مرکز پر آجائے اسے پھر ذکر قلبی پہ لایا جا سکے مثلاً" وہ کہیں گے کہ سب بیٹھ کر پڑھیں لا الہ الا اللہ الہ الا اللہ کچھ دیر پڑھیں پھر الا اللہ کو چھوڑ دیں اللہ اللہ اللہ کچھ دیر پڑھیں پھر اس سے بھی زبان خاموش کر لیں پھر دل پر خیال کریں کہ دل سے آواز آئے اللہ اللہ اللہ اس طرح وہ آہستہ آہستہ زبان سے شروع کرا کے ذکر لسانی سے آدمی کو ذکر قلبی پر لے جاتے ہیں۔

صرف ایک سلسلہ نقشبندیہ ایسا ہے جو شروع ہی قلب سے کرتے ہیں ذکر لسانی شروع سے کرتے نہیں ہیں اور اسی پر مشائخ نقشبندیہ اللہ کریم کا شکر کرتے ہوئے اس پر فخر کرتے ہوئے اللہ کی نعمت جو ان کے پاس آئی فرمایا تھا کہ ۔ اول ما آخر ہر منتہی کہ دوسرے سلاسل جہاں لا کر بندے کو پہنچاتے ہیں ہم وہاں سے آدمی کو بسم اللہ اور ابتدا کراتے ہیں یعنی وہ سارا پراسس کرا کے وہ ساری محنت کرا کے پھر وہ آخر وہاں پہنچاتے ہیں کہ اس کے قلب سے اللہ اللہ کی آواز آئے اور ہم اللہ کی عطا سے شروع اسی سے کراتے ہیں کہ اس کا قلب اللہ اللہ کہنے لگے۔

و آخر ما جیب بہ تمنا تھی۔ اور ہمارے سلسلے کی انتہا یہ ہے کہ آدمی کے پاس مانگنے کے لئے کچھ نہیں رہ جاتا تو اتنا ملتا ہے کہ اسے سمجھ ہی نہیں آتی کہ اب مزید مانگو کیا یعنی جو کچھ آدمی

مانگ سکتا ہے اس سے کئی گنا زیادہ وہ پا لیتا ہے اس کی عقل ماری جاتی ہے ہوش جواب دے جاتے ہیں۔ میں کیا مانگوں وہ مانگنے کے قابل بھی نہیں رہتا اسے سمجھ نہیں آتی عقل ساتھ نہیں دیتی اتنا کچھ اسے حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اب اور مزید کیا مانگوں۔ نقشبندیہ میں ہی نسبت اویسیہ ہے ہمیشہ سے ہی اسی سلسلے کا حصہ یہ رہی ہے اور اسی الانتباہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس نسبت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ یہ نسبت عجیب نسبت ہے۔

یہ لوگ جب معدوم ہوتے ہیں تو یوں مٹتے ہیں جیسے کوئی دریا بہتے بہتے صحرا میں گم ہو جائے۔ جذب ہو جائے اور چٹیل میدان جس میں ریت ہو اور قطرہ بھاپ نظر نہیں آتا لیکن جب یہ ظاہر ہوتے ہیں تو کسی صحرا سے چشمہ پھوٹتا ہے اور آناً فاناً روئے زمین کو سیراب کر کے رکھ دیتا ہے یوں سمجھ آتی ہے کہ دنیا میں صرف انہی کا ڈنکا بجتا ہے پھر سمندر کی طرح پھیلتے ہیں اور پھر زمانہ انہی کا ہوتا ہے۔ **الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ** کا مفہوم اس طرح کا ہے میں الفاظ نقل نہیں کر رہا مفہوم نقل کر رہا ہوں کیونکہ میں نے یہ دیکھی تھی 62ء میں اور اب 90ء آنے کو ہے تو واقعی یہ نسبت ایسی ہے کہ اگر نصیب ہو جائے تو تمام ان نسبتوں میں سے جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نصیب ہو سکتی ہیں مضبوط تر قریب تر اور طاقت ور ترین ہے اور ایک نگاہ میں نہ صرف قلب بلکہ ہر ذرہ بدن کو ذاکر بنا دیتی ہے۔ اب اسی کے ساتھ ایک بڑا سوال یہ بھی ہے۔ میں اکثر بیان کرتا رہتا ہوں۔ دلائل السلوک میں اس پر بہت زیادہ بحث کی گئی ہے لیکن ساتھیوں میں نقص یہ ہے کتاب دیکھنے کے بجائے سوال لکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں حالانکہ آسان یہ ہے کہ کتاب دیکھ لی جائے۔

جی یہ طریقہ بدعت ہے بدعت کا فتویٰ دینے والوں سے کوئی یہ پوچھے کہ بدعت کہتے کسے ہیں ہر اس کام کو بدعت کہا جائے گا جو حضورؐ نے پسند نہیں فرمایا کسی طرح سے ثابت نہیں ہے کیونکہ عمل صحابی بھی سنت ہے خصوصاً خلفاء راشدین کا عمل سنت ہے **علیکم بسنتی و سنت خلفاء راشدین المہدیین۔ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** لیکن تب وہ کام بدعت ہو گا جب آپ کہیں کہ اس کام کو اس طرح کرنا ثواب ہے یعنی آپ اسے شریعت کا حصہ بنا لیں وہ بدعت ہو جائے گا۔ آپ اسے شریعت کا حصہ نہیں بناتے تو وہ ایک سبب ہے اس کام کو کرنے کا جیسے حج مقصد ہے سفر کا ذریعہ حضورؐ کے زمانے میں یا پیدل تھا یا اونٹ تھا یا گھوڑا تھا پھر موٹر آئی پھر اب ہوائی جہاز آ گیا اب یہ کہنا کہ موٹر بدعت ہے یا ہوائی جہاز بدعت ہے اس سے بڑی بھی کوئی جہالت ہے؟ کوئی موٹر یا جہاز کو ثواب یا گناہ کہتا ہے اسے کوئی دین کا حصہ سمجھتا ہے یہ تو سبب ہے سفر کا' ذریعہ ہے اللہ کریم نے ایک طریقہ آسان مہیا فرما دیا جو کوئی اسے اختیار کر لے مقصد تو حج ہے نا۔ ارکان حج میں گھٹائے بڑھائے گا تو بدعت کا شکار ہو گا۔ یا خلاف سنت کا شاکر ہو گا۔ یا ترک فرض کا مرتکب ہو گا یہ کچھ کرے گا۔ یہاں ذکر مقصد ہے ذکر جو ہے اس کا حکم ہے قرآن میں ذکر کا حکم ہے سنت رسول میں طریقہ متعین نہیں کیا۔ قرآن نے' حضورؐ نے' میں آپ یا کوئی دوسرا کوئی طریقہ متعین نہیں کر سکتا۔ اسی لئے ہم نہیں کہتے کہ ہم جس طرح سے ذکر کرتے ہیں اسی طرح سے کرو ثواب ہے دوسری طرح سے نہیں جس طرح سے کوئی چاہتا ہے کرو۔ کھڑے ہو کر کرو بیٹھ کر کرو لیٹ کر کرو جس طرح مرضی ہے کرو۔ یہ الگ بات ہے کہ مشائخ سلاسل کے اپنے اپنے تجربات ہیں کسی نے اس طریقے کو مجرب پایا کسی نے اور طریقے کو سمجھا کہ اس طرح سے فائدہ ہے دوسرے نے کسی اور طریقے سے اب آپ اذکار کے تصوف کی کتابوں میں پڑھیں تو بے شمار طریقے ہیں طریقہ یک ضربی دو ضربی ذکر سہ ضربی ذکر چہار ضربی ذکر' ذکر پاس انفاس' حبس دم بے شمار طریقے لکھے ہیں اب یہ سب کی اپنی اپنی ذاتی تحقیق ہے مقصد صرف ذکر الٰہی ہے یہ سارے ذرائع ہیں جب ذریعے پر شریعت اصرار نہیں کرتی کسی دوسرے کو اس پر اصرار کرنے کی بدعت یا سنت بنانے کی کیا ضرورت ہے جو کہتا ہے یہ بدعت ہے وہ سنت طریقہ بتائے اگر وہ کہتا ہے کہ جی مسنون تو تسبیحات پڑھنی ہیں میں کہتا ہوں

تسبیحات ہیں ہی تو ذاکرین کے لئے جن کا وجود بھی اور دل بھی ذاکر تھا۔ کیونکہ صحابہ کے لئے تو قرآن کہتا ہے۔

ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَ قُلُوبُهُمْ الى ذكر الله تو وجود قلوب اور جلود کو ذاکر کرنے کا کیا طریقہ ہے وہ بتاؤ۔ یا محض سرے سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ چائے پینا بدعت ہے بس پر بیٹھنا بدعت ہے یہ شلوار پہننا بدعت ہے یہ اس طرح کی ٹوپی پہننا بدعت ہے اس طرح کا یہ کام یہ سارے مہلات میں ہیں ستر عورت فرض ہے کافر کی مشابہت نہ ہو کوئی لباس پہن لے کوئی بھی شریفانہ لباس ہو کوئی چیز آ جائے ہم کھاتے ہیں زمانہ اطہر رسول میں تو ملتا بھی نہیں تھا جو کچھ ہم آج کھاتے ہیں نہ اس طرح کا پکایا جاتا تھا یہ سارا بدعت ڈیکلیئر کر دیا جائے جو کچھ آج ہم پیتے ہیں اس طرح کی چیزیں تو اس زمانے میں نہیں تھیں۔ سواریاں اس زمانے میں اس طرح کی نہیں تھیں اسلحہ اس زمانے میں اس طرح کا نہیں تھا۔

تو یہ کیا ہے یہ سارے اسباب ذرائع ہیں مقصد جب بھی بدلیں گے نقصان ہو گا۔ ذرائع جو ہیں ان کے لئے صرف ایک قید ہوتی ہے کہ اس ذریعے سے شریعت کی کوئی حد پامال نہ ہو کہیں سے کوئی شرعی قاعدہ نہ ٹوٹتا ہو شریعت کے ساتھ وہ نہ ٹکراتا ہو کسی سنت کو پامال نہ کرتا ہو سادہ سی بات ہے۔

یا جو اسے بدعت قرار دیتے ہیں کیا ان کے وجود ان کے قلوب ذاکر ہو گئے ان کے پاس کوئی سنت طریقہ ہے تو ہمیں وہ بتا دیں ہم وہ اختیار کر لیتے ہیں غرض تو ہے وجود کو دل کو بدن کو جسم کو جان کو اللہ کا ذاکر بنانا اور شیطان کے پنجے سے رہائی پانا۔ اللہ کی معیت کو حاصل کرنا۔ تو اگر محض ذکر سے روکنا ان کا کام ہے تو اس کام کے لئے تو شیطان کافی ہے یہ تو انسان کا کام ہی نہیں انہیں اس کی کیا ضرورت ہے پھر مسلمان ہو اللہ کے ذکر سے روکے کیا روکے گا۔ تو نادانی میں یا نا سمجھی میں غیر شعوری طور پر یا نہ سمجھتے ہوئے وہ کام کر رہے ہو جو شیطان کو کرنا چاہئے اس کام کے لئے اسے رہنے دیں۔ اگر خود ذکر نہیں کر سکتے تو جو کرتا ہے اسے کہیں کہ زیادہ وقت لگایا کر کم از کم کوئی تو اسے پریشان کرتا ہی رہے یعنی کسی کو تو ایسا کام کرنے دیں کوئی ایسا آدمی تو دنیا میں ملے جس کے وجود کے ساتھ شیطان بندھا ہوا نہ ہو کچھ تو ہو دنیا میں کوئی نمونے کے مسلمان کوئی چند نفوس ایسے کہ کچھ نظر تو آئے کہ اس طرح کے مسلمان ہوا کرتے تھے ایسے لوگ ایسے کردار کے لوگ ایسے کام کے لوگ جو یہ کرتے تھے اس طرح سے ہو بہو نہ سہی تو کم از کم کوئی اندازہ کوئی ایسس (ASSES) تو کر سکے کہ اس طرح کے لوگ یا اس سے بہتر لوگ ہوتے ہو گے کچھ اندازہ تو ہو سکے۔

اور اس کے بعد آخری بار میں بتا دوں کہ میں بے شمار دفعہ بتا چکا ہوں اور میں بار بار ایک بات کو دہرانا نہیں چاہتا میں جانتا ہوں مجھ میں بہت کمزوریاں ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک بات ایک بار کہہ دوں۔ اتنا وقت اتنی فرصت نہیں ہے کہ میں یہ باتیں کرتا رہوں۔ موت اس کے بالکل ساتھ ساتھ ہے اور نہیں جانتا کہ کس وقت اس کے قالب زندگی کا لباس اتار کر کفن پہننا پڑ جائے۔ اس کے پاس اتنی فرصت ہی نہیں ہے کہ وہ ایک ہی بات کو بار بار دہراتا رہے۔ پھر صوفیاء کا یہ قاعدہ ہی نہیں ہے کہ وہ کسی بات پر اصرار کریں۔

اس لئے اس تصوف کا قانون یہ ہے کہ شیخ کا کام ہے۔ وہ کہہ دے۔ سننے والوں کا یہ کام ہے' جو مان لے گا۔ اسے فائدہ ہو گا۔ جو نہیں مانے گا وہ اپنا نقصان کرے گا۔ یہ اس کا درد سر نہیں ہے۔ وہ ماننے والے کا درد سر ہے۔ چونکہ استفادہ کرنے کے لئے دل کو دل کے روبرو کرنا پڑتا ہے۔ جتنا زاویہ ترچھا ہو گا اتنی روشنی کم پڑے گی۔ یہ تو سادہ سی بات ہے ایک سورج بھی نکلا ہوا ہے۔ ہم شیشے میں شعاع منعکس کرنا چاہتے ہیں تو جتنا شیشے کا رخ اس کی طرف سیدھا ہو گا اتنی زیادہ آئے گی۔ جتنا ترچھا کر لیں گے۔ اتنی کم ہوتی جائے گی۔ بالکل الٹ جائے گا۔ تو بالکل اٹھ جائے گی۔ خواہ زندگی کے کسی سٹیج پر بھی ہو۔ یہی حال انبیاء کا ہوتا ہے۔ تو نبی کی مثال سورج کی ہوتی ہے اور استفادہ کرنے والے خدام اپنے قلوب کو سیدھا رکھنے کے مکلف ہوتے ہیں۔ اور یہی حال صوفیاء کا ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد کے خادم

نبوت کی حیثیت سے روشنی بانٹنے والے لوگ ہوتے ہیں اور حاصل کرنے والے کا اپنا کام ہوتا ہے اور اس میں اتنی پابندی ہوتی ہے کہ ایک دفعہ مراقبہ احدیت کی تسبیح پر بات ہوئی۔ حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علمی اعتبار سے صرف و نحو اور منطق میں آپ کا بہت وسیع مطالعہ اور پایہ بہت بلند تھا۔ بلکہ بڑے بڑے فاضل علماء کو آپ چیلنج کر دیتے تھے کہ میرے سامنے کلمہ طیبہ کا معنی سناؤ تو جب آپ اعتراض کرتے تو بڑا بڑا آدمی پھنس جاتا تھا۔ اس کے معنی نہیں کر سکتا تھا۔ منطقی اعتبار سے صرف و نحو اور گرائمر کے اعتبار سے اعتراض کرتے تھے۔ انہیں اعتراضات کے جواب نہیں آتے تھے اور وہ اعتراض درست ہوتے تھے۔ حل نہیں ہوتے تھے۔ تو اکثر علماء کو آپ مناظرے میں کہہ دیتے تھے کہ موضوع پر بات تب ہو گی کہ تم میرے سامنے کلمہ طیبہ کا معنی سنا دو۔ اگر تمہیں آتا ہو تو تم ثابت کر سکو کہ یہی معنی ہے۔ پھر اگلی بات۔ اگر تمہیں معنی ہی کلمے کا نہیں آتا تو باقی مجھ سے مناظرہ کیا کرتے ہو۔

تو ایک دفعہ ایک عالم نے جو بہت نیک اچھے صالح آدمی تھے یہ عرض کی کہ حضرت یہ جو مراقبہ احدیت میں ہے وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَکَ یَا اللّٰہ یہ تو صرف کے اعتبار سے بالکل غلط بات ہے۔ وَحْدَہٗ صیغہ واحد غائب ہے۔ لَا شَرِیْکَ لَکَ واحد متکلم آ جاتا ہے۔ حاضر آ جاتا ہے۔ تو یہ کیسے وہ تو واحد غائب کی بات کر رہا ہے۔ وحدہ وہ اکیلا ہے۔ اور یہاں واحد حاضر سے بات کر رہا ہے۔ لا شریک لک تیرا کوئی شرک نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے اے اللہ! ترجمہ یہ بنتا ہے لفظی۔ وحدہ وہ اکیلا ہے لا شریک لک تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ تو یہ کیا عجیب سی الجھن بن جاتی ہے۔ اس میں زمانہ صحیح نہیں ہوتا۔

آپ نے فرمایا دیکھو میاں تصوف میں مشائخ نے جو دعائیہ کلمات فرما دیئے ہیں۔ برکات انہی میں ہیں۔ یہاں گرائمر کام نہیں کرتی۔ سادہ سا جواب میرے بیٹھے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ میں تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ گرائمر کو صرف و نحو کو عربی کے اصولوں کو لیکن یہاں قاعدہ دوسرا ہے۔ یہاں شیخ کا کہہ دینا قانون ہے۔ یہاں تمہاری صرف و نحو جو ہے وہ قانون نہیں بنا سکتی۔ یہاں اس کا دخل نہیں ہے یہ اس کی مرضی کہ وہ اس پر ہی برکات نازل کرتا ہے۔ اسے بدل دو تمہارا مراقبہ ساری زندگی درست نہیں ہو گا۔ ساری زندگی صحیح نہیں ہو گا۔ بدل جائے گا۔

معیت میں ہمیں مشائخ سے حضرت کو بھی اپنے مشائخ سے یہ تسبیحات ہم پڑھا کرتے تھے۔ اللّٰہُ حاضری اللّٰہُ ناظری اللّٰہُ مَعِیْ۔ اور اس کے ساتھ قرآن کی آیت تھی۔ وَ ھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ۔ تو کچھ ساتھیوں نے اس میں تھوڑی سی تبدیلی کی۔ اللہ شاہدی بڑی بات تو نہیں تھی یعنی جب آپ کہتے ہیں اللہ حاضری اللہ میرے پاس ہے۔ اللہ موجود ہے۔ اللہ ناظری اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اللہ معی اللہ میرے ساتھ ہے۔ اللہ شاہدی اللہ حاضری ایک ہی معنی ہے لیکن میں نے انہیں سمجھایا بھی میں نے کہا یہ نئی بات مت داخل کرو یہ ہضم نہیں ہو پائے گی۔ اور وہی ہوا۔ وہ نئی بات کیا ہضم ہوتی وہ سارے ہی گئے وہ سرے سے ہی گئے۔ نظر ہی کوئی نہیں آتا کہاں گئے۔ کہاں غائب ہو گئے۔ کون کس وادی میں جا کر غرق ہوا۔ چونکہ یہاں حقیقی اتباع اور اطاعت جو ہے وہ اسی راستے میں ہے۔ یہ راستہ محبت کا ہے۔ مان کر چلنے کا ہے۔ تعلق کا ہے۔ پیچھے چلنے کا ہے۔ وہ جو مفہوم ہے نا اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ تمہیں اللہ سے محبت ہے میرے پیچھے آؤ۔ آگے یا دائیں بائیں نہیں برابر نہیں۔ کچھ بچ کر ایک سائیڈ پر نکل کر نہیں دائیں طرف نہیں بائیں طرف نہیں آگے نہیں پیچھے آؤ۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ اس سے کیا ہو گا۔ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ۔ تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ یعنی کبھی تمہیں محبت ہے پھر وہ تم سے محبت کرے گا۔ پھر تمہارے مسائل تمہارے نہیں رہیں گے وہ اللہ کے محبوب کے مسائل بن جائیں گے۔ وہ جانے۔ اب تو تمہاری پریشانیاں تمہاری ہیں نا پھر تمہاری پریشانیاں کس کی ہوں گی۔ اس کے اپنے محبوب کی کیونکہ وہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ پھر تمہارے مسائل تمہارے نہیں رہیں گے۔ وہ اس کے محبوب کے مسائل ہوں گے۔ اس کا اپنا پرابلم ہے۔ محبوب کے مسائل اپنے ذاتی

مسائل سے زیادہ اہمیت رکھا کرتے ہیں۔ اس میں حقیقی اتباع ہوتا ہے۔

مختلف سلاسل میں مختلف طریقے ہیں۔ ہمارے ہاں طریقہ ذکر صرف ایک ہے۔ صرف ایک آپ جب سانس اندر لیتے ہیں تو اس میں لفظ اللہ سانس کے ساتھ اندر جاتا ہے۔ اور اس میں لفظ اللہ بنایا نہیں جاتا' سوچا جاتا ہے یعنی اللہ کا تلفظ سانس سے نہیں لیا جاتا۔ سانس قوت سے لی جاتی ہے۔ ساتھ دماغ کو اس میں مصروف رکھا جاتا ہے۔ کہ لفظ اللہ اس کے ساتھ اندر جا رہا ہے۔ جب اسے چھوڑتے ہیں تو ہو خارج ہوتی ہے۔ اور ہو کی ضرب لگتی ہے لطیفہ قلب پر۔ سانس اندر لے جاتے ہیں تو لطیفہ قلب میں لفظ اللہ جاتا ہے۔ چھوڑتے ہیں تو ہو کی ضرب لطیفہ قلب پر لگتی ہے۔ دوسرے لطیفے پر ذکر کرتے ہیں تو لفظ اللہ دوسرے لطیفے میں جاتا ہے۔ خارج ہوتا ہے تو ہو کی ضرب دوسرے لطیفے پر لگتی ہے تیسرے لطیفے میں جاتا ہے خارج ہوتا ہے تو ہو کی ضرب دوسرے لطیفے پر لگتی ہے تیسرے لطیفے میں جاتا ہے۔ تیسرے لطیفے پر لگتی ہے پانچویں لطیفے میں جب آپ اندر سانس لیتے ہیں تو لفظ اللہ جب اندر اترتا ہے تو وہ پورے سینے کو اپنی لپیٹ میں پانچوں لطائف کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ جب آپ خارج کرتے ہیں تو ہو کی ضرب پانچویں لطیفے پر لگتی ہے۔ لیکن لفظ اللہ جب سانس لیتے ہیں تو پانچوں لطائف میں بھر جاتا ہے۔ سمجھ آ رہی ہے چھٹے لطیفے میں لفظ اللہ یہاں سے اندر جا رہا ہوتا ہے۔ جب آپ سانس چھوڑتے ہیں تو ہو کا شعلہ پیشانی سے نکل رہا ہوتا ہے۔ ساتویں لطیفے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب سانس اندر کھینچو تو لفظ اللہ پاؤں کے ناخنوں تک لے جاؤ۔ سارے وجود میں لفظ اللہ نیچے تک چلا جائے۔ پاؤں کے ناخنوں تک اور جب اسے خارج کرو تو پورا وجود شعلہ بن جائے۔ ساتویں لطیفے میں جب سانس لیں' یہاں سے لفظ اللہ داخل ہو اور پاؤں کے انگوٹھے تک چلا جائے۔ اور جب آپ سانس چھوڑیں تو ہو خارج ہو اور ہو پورے بدن میں شعلہ بن کر سام سے نکل جائے۔ اور ہر لطیفے کی طاقت کو دوسرے لطیفے پر منتقل کرتے رہئے۔ پہلے کی طاقت کو دوسرے' دوسرے کی تیسرے' تیسرے کو چوتھے' چوتھے' کی پانچویں یہاں تک پانچوں لطائف کی طاقت جمع کر کے۔ چھٹے کی طاقت کو اس سمیت ساتویں پر پھر ساتوں کی قوت اکٹھی کر کے اس پوری گرمی کو پہلے پر لے آئیں۔

اس کے علاوہ جتنے طریقے ہیں کوئی لا کو کھینچتا ہے۔ دل سے اس کندھے پر لاتا ہے اللہ کی ضرب لگاتا ہے کوئی لا کو آسمان تک کھینچتا ہے۔ یہ مختلف سلاسل کے ہیں۔ ہمارا اپنا صرف یہ طریقہ ہے ہمارے اپنے سلسلے کا باقی سارے مختلف طریقہ ہائے ذکر ہیں درست ہیں لیکن ہر ایک کا اپنے اپنے سلسلہ کا طریقہ ہے ان کا ہمارے طریقے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس پر فائدہ مرتب اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ ہمارے شیخ کے بتائے ہوئے نہیں ہیں۔ ہمارے مشائخ کے ارشاد کردہ نہیں ہیں جن مشائخ نے فرمائے ہیں ان کے سلسلوں میں مفید ہیں اور ان کے مستفیض کے لئے ہیں تو یہ رہا طریقہ ذکر۔ اور ذکر کے متعلق کچھ معلومات اللہ کریم مجھے اور کو ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

وآخِرُ دعونا اَن الحمد اللّٰہِ رب العلمین

رزق کریم سے دُہ دانہ گندم مراد ہے جس سے پیٹ تو نہ بھرے لیکن چہرے پر ندامت کا اثر پیدا نہ ہو جسے بیشک ایک وقت کا فاقہ رہ جائے لیکن شرمندگی اور ذلت نہ ہو جس کے کھا لینے کے پیچھے کسی کا خوف سوار نہ ہو جس کے افشا کے ڈر سے شرمندگی آنے کا اندیشہ نہ ہو رزق کریم سے دُہ رزق مراد ہے جو نصیب ہو تو دل کو سکون ملے قلب پریشان نہ ہو

توجہ شیخ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ

آپ کو یاد ہو گا کہ کل کے بیان کے اختتام پر ایک بزرگ ساتھی نے سوال کیا تھا کہ شیخ کی توجہ کیا ہوتی ہے اور وہ کس طرح سے توجہ کرتا ہے تو میں نے یہ سوال اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ اس کا جواب ذرہ وقت طلب ہے اور کل وقت ختم ہو رہا تھا بیان کا۔ اس کا جواب سمجھنے کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ اس بات کو سمجھا جائے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ و علی الہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم کے ان امتیوں کو جو ایمان لائے کیا فائدہ حاصل ہوا۔

قرآن حکیم نے اس آیت مبارکہ میں جو میں نے تلاوت کی ہے اس کی منظر کشی فرمائی ہے ایک تو ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قرآن حکیم اللہ کا کلام بھی ہے چونکہ آپؐ کی ذات اقدس کے علاوہ کسی دوسرے نے اس کلام کو نہیں سنا اللہ سے۔ ساری مخلوق نے جنہیں اس پر ایمان نصیب ہوا یا ہوتا رہے گا۔ ان سب نے ان کو حاصل کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ وہ تفہیم جو قرآن حکیم کی ہے جسے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے یہ سب ملا کر کیا ہے تعلیمات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم۔

لیکن ایک پہلو اس سے بھی زیادہ ضروری اور بنیادی ہے اور وہ پہلو ہے برکات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح قرآن حکیم کی ترتیب سے ظاہر ہے فرمایا یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ فرائض نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہیں دعوت الی اللہ۔ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ اللہ کی آیات اللہ کے بندوں کو سناتا ہے اور جو قبول کرے اس کا تزکیہ فرمانا یُزَکِّیْھِمْ تزکیہ کے بعد اگلا درجہ ہے۔ تعلیمات نبوت کا یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ قرآن اور حدیث کی تعلیمات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترسیل ان لوگوں تک۔ یہ جو تزکیہ قران حکیم نے فرمایا ہے ویزکیھم جو فرائض نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے یہ تزکیہ کس طرح سے ہوتا تھا اس کی مثال صحابہ کرامؓ کی کیفیات کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمائی۔

کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو صحرائے عرب می سب کچھ تھا بڑے بڑے جوان تھے طاقت ور تھے شاہ زور تھے ادیب تھے شاعر نامور لوگ تھے کاروباری تھے تلور کے دھنی اور نیزہ بازی کے ماہر تھے روئے زمین کا سفر کرنے والوں اور بادشاہوں اور امراء کے درباروں تک رسائی رکھنے والے

لوگ تھے لیکن اگر نہیں تھی تو انسانیت ناپید تھی اگر نہیں تھا تو رب جلیل کا نام نامی نہیں تھا کوئی اسے جاننے والا کوئی اسے ماننے والا نہیں تھا اگر نہیں تھی تو انسانیت کے لئے وہاں گنجائش نہیں تھی ظلم و جور تھا کفر و شرک تھا ہر طرح کی ہر برائی کے لئے بے شمار مواقع موجود تھے لیکن نیکی اصلاً" ناپید تھی۔

تو تزکیہ کیسے ہوا فرمایا وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور کمالات رسالت اگر دیکھنا چاہو تو ان لوگوں کو دیکھو جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اختیار کی۔ معیت رسالت میں ایک بات یاد رکھیں معیت رسالت سے مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دینا۔ اپنی پسند و نا پسند سے' اپنی خواہش و ضرورت سے' اپنی جرات ہمت سے' اپنی ہر ہر بات سے گزر کر۔ حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی مثال فرمایا کرتے تھے جس طرح غسال کے ہاتھ میں مردہ ہوتا ہے مسلمان کو شریعت کے ہاتھ میں اس طرح ہونا چاہئے یعنی جس طرح مرنے والے کو غسل دینے والا جس طرح چاہے جدھر پلٹے جہاں سے دھوئے جہاں سے رہنے دے جو سلوک اس سے چاہے کرے وہ میت اعتراض نہیں کرتا شریعت کے معاملے میں مسلمان کو اس طرح بے اختیار ہونا چاہیے۔ شریعت کے سامنے جس طرح میت غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ یہ خود سپردگی یہ اپنے اختیارات سے دست برداری اپنی پسند کے ساتھ اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دینا بغیر کسی مطالبے اور شرط کے بغیر کسی شرط کے سرنڈر کر دینا ہتھیار پھینک دینا ہاتھ اٹھا لینا یہ ہے معیت۔ یعنی میں کچھ بھی نہیں ہوں' میں جو کچھ ہوں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھنے کا حکم دیں میں اٹھ جاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھنے کا حکم دیں میں بیٹھ جاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑنے کا حکم دیں میں لڑنے پہ تیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوستی کا حکم دیں میں دوستی کے لئے تیار۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کی اجازت دیں میں سو جاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاگنے کا حکم دیں میں کھڑا ہو جاؤں میری اپنی کوئی پسند نہیں ہے کہ میں کس وقت سونا چاہتا ہوں میں کیا کھانا چاہتا ہوں میں کیا بننا چاہتا ہوں تو یہ کیا ہے معیت۔ فرمایا جن لوگوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا اپنا آپ باقی نہ رکھا بلکہ وہ باقی رہے تو ان کے ساتھ لگ کر رہے۔

وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ وہ لوگ جو ان کے ساتھ باقی ہیں جن کا ان کے علاوہ اپنے وجود کا کوئی تصور نہیں رہا اپنے ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں رہا اپنے ہونے پر کوئی مطالبہ اور اصرار نہیں رہا۔ یہ معیت جو تھی اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست عالی میں سپرد کر دینا جو تھا اس نے برکات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچائیں یعنی جب وہ پیوست ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ الگ سے وہ کچھ بھی نہ رہے تو کیا ہوا وہ برکات جو قلب اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھوٹتی تھیں وہ ہر شخص کو جتنا وہ پیوست ہو چکا تھا اس کے مطابق اپنی معیت کے مطابق اسے وہ پہنچیں۔ اور ان کے پہنچنے سے کیا ہوا۔

فرمایا انسانوں کے قد کاٹھ وہی رہے رنگ وہی رہے شکلیں وہی رہیں لیکن انسان بدل گئے ان کے مزاج بدل گئے ان کی سوچ بدل گئی ان کے کردار بدل گئے اب انہی لوگوں کو دیکھو جن کی نسلیں ظلم و جور کی بھینٹ چڑھ رہی تھیں ان میں ایسی تبدیلی آئی کہ وہ ہر مومن کے لئے سراپا محبت بن گئے اور ہر کفر کے لئے کڑکتی ہوئی بجلی بن گئے۔ یعنی ایک شخص مجموعہ اضداد بن گیا ایک شخص ایک ہی وجود ایک ہی وقت میں ایک ہی دل اس میں دو مختلف وصف جمع ہو گئے اگر اس کے سامنے کافر آتا ہے تو وہی شخص بجلی کی طرح کڑکتا ہے اس پر۔ اور اس کے سامنے مومن آ جاتا ہے تو اس کے لئے باد بہاری بن جاتا ہے آدمی ایک ہی ہے فرد ایک ہے اس کا دل ایک ہے وجود ایک ہے رویئے دو ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں یعنی انتہائے غضب ہے ایک طرف اور انتہائے محبت ہے ایک طرف۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ اللہ نے اشداء کا لفظ یعنی بہت ہی سخت ترین لوگ ہیں کفر کے مقابلے میں رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ اور آپس میں مظہر رحمت الٰہی بن گئے ہیں۔ یعنی جس طرح اللہ

رحمتیں لٹاتا ہے اس کا مظہر بن گئے ہیں ایک دوسرے کے لئے اللہ کی رحمت بن گئے ہیں پیار کی تو ایک حد ہوتی ہے محبت کی تو ایک لمٹ (Limit) ہوتی ہے ان سے محبتیں انسانی پیار تو ایک اندازے ایک حد ایک مقام پر جاکر ختم ہو جاتے ہیں لیکن یہ جو رحمتیں ہوتی ہیں یہ تو لامحدود ہیں۔ تو یہاں اللہ کریم نے محبت سے بڑھ کر رحمت کا لفظ استعمال فرمایا رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ جتنے اس طرف شدید ہیں اس سے زیادہ اس طرف رحمت کا مظہر ہیں۔ یہ کیا تھی اس آپ کیئے توجہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

اس کے لئے انہیں کوئی چلہ کشی نہیں کرنی پڑی تعلیمات کے لئے انہیں پڑھنا پڑا سیکھنا پڑا پوچھنا پڑا یا رکھنا پڑا لیکن ان کیفیات کے لئے صرف انہیں خلوص دل سے انہیں اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا پڑا یہ کام ان کا تھا اور جیسے نگاہ اطہر نصیب ہوئی بیک نگاہ آنے والا صحابی ہو گیا پھر ان کے مدارج میں جو تفاوت ہے وہ صحابیت کے بعد ہے۔ بنیادی طور پر سارے شرف صحابیت سے مشرف ہو گئے۔ اب اس میں ہر ایک کی معیت کا اپنا انداز ہے۔ جیسے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ ابوبکر کو تم پر نمازیں زیادہ پڑھنے سے یا علم زیادہ رکھنے سے فضیلت نہیں ہے بلکہ اس نے فضیلت پائی ہے اس چیز کی بدولت جو اس کے سینے میں ہے۔ وہ سینہ میں کیا تھا وہی جسے ہم معیت کے نام سے یاد کر رہے ہیں کہ کتنا کوئی فنا ہوا ذات رسول میں کتنا کچھ اپنے آپ کو گم کر سکا نقش کف پائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی اپنی پسند کھو چکا اور دیکھو تاریخ گواہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے حکم دیا۔ وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ اپنے خدام سے مشورہ فرمایا کیجئے اور جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ فرماتے مجلس سے فرماتے چند خدام سے فرماتے کسی ایک سے فرماتے تو وہ اپنی استعداد کے مطابق مشورہ بھی عرض کرتا لیکن پوری تیئس سالہ حیات نبوت میں کسی ایک مقام پر ابوبکر صدیق رضے اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ بھی نہیں دیا جب پوچھا گیا تو فرمایا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند ہے ویسے کر دیجئے یہ اپنی اپنی معیت کا انداز ہے کہ کبھی یہ سوچا بھی نہیں کہ میں کوئی مشورہ بھی دے سکتا ہوں فرمایا ہم تو ہیں نا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں آپ جو چاہیں کر لیں ہمارا کیا ہم ہیں کہاں اور یہی وہ بات تھی جو پوری کائنات میں انہیں سب سے آگے لے گئی پھر اللہ کریم کی ایسی تقسیم ہوتی ہے نا کہ انبیاء علیہم السلام کے پورے انبوہ میں سب پر اللہ کی کروڑوں رحمتیں اور سلام ہوں۔ اگلے دنوں میں لکھ رہا تھا تشریح سورۃ یوسف کی تو کیسی عجیب ایک شان ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ کریم ابن کریم ابن الکریم ابن الکریم یعنی چار پشتیں مسلسل رسالت چلتی ہے۔ یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم تو چار پشتیں مسلسل نبوت چلتی ہے اور پوری کائنات پر نبی کے صحابہ میں ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ایسا صحابی ہے جس کی چار پشتوں میں صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ باپ صحابی خود صحابی اولاد صحابی اور اولاد کی اولاد صحابی یعنی چار پشتیں صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصیب ہے۔

پھر اس کے علاوہ جس ہستی کی اک نگاہ پر ساری انسانیت ایمان لا کر بیک وقت سامنے آ جائے تو اس ایک نگاہ میں سارے انسان صحابی بن جائیں یعنی کبھی ان کی طرف دوسری نگاہ کی حاجت باقی نہ رہے اسی عظیم مینار نور کو اللہ نے شب ہجرت ایک ابو بکر صدیق کی گود میں دے دیا۔ اور ایسا کریم ہے علامہ بازل ایران کا ایک مصنف ہے تاریخ کا مورخ ہے۔ بہت بڑا اور بہت بڑا شاعر بھی تھا۔ بے چارہ شیعہ بھی تھا۔ اس کے باوجود بعض حقائق ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو منوا لیتے ہیں۔ وہ بھی جب یہ تاریخ لکھتے ہوئے "حملہ حیدری" اس کی تاریخ کا نام ہے منظوم ہے فارسی تو وہ بھی جب ہجرت کا واقعہ لکھتے ہوئے یہاں سے گزرتا ہے تو کہتا ہے۔

؎ چو رفتند چندیں ز دامان دشت
قد دم فلک سایہ مجروح گشت

کہ جب مکہ مکرمہ سے نکل کر تھوڑے ہی صحرا میں آپ نے سفر فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک

زخمی ہو گئے۔

ابو بکر آنگاہ بدوشش گرفت
ولے این حدیث است جائے شدش

وہ کہتا ہے اس وقت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا لیکن یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ

ے درکس چناں قوت آمد پدید کہ بار نبوت تواند کشید

کہ اللہ نے ایک نحیف و نزار وجود میں اتنی طاقت دے دی کہ وہ نبوت کا بوجھ اٹھا کر لئے جا رہا ہے۔

میں اس کی توجیہہ اپنے انداز میں کیا کرتا ہوں۔ میں نے اس سے یہ سمجھا کہ اس رب جلیل کو یہ منظور تھا کہ کائنات کا ہر ذرہ خواہ وہ ارض بسیط کا بھی ہو اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنا چاہتا ہے تو ابو بکرؓ کے قدموں کو چومے یعنی ایک لمحہ ایسا بھی آیا کہ پوری کائنات میں سارے کا سارا نور نبوت اس ایک ہستی کے دوش مبارک پر ہے اور پھر تین دن تین راتیں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا۔ پوری شمع نبوت مرتکز ہے ایک شخص کے قلب پر۔ ساری کی ساری توجہ پا رہا ہے۔ یعنی وہ توجہ جو اک نگاہ میں ساری انسانیت کو شرف صحابیت عطا کر سکتی ہے۔ وہ مسلسل تین روز تین راتیں صرف ایک انسان کو مل رہی ہے اور وہ ہے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کیوں؟ اس کی معیت اللہ نے اسی درجے کی بنائی ہے۔ وہ علامہ مرحوم نے کہا ہے نا۔

آ امن الناس برمولائے ما
آں کلیم وادی سینائے ما

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر آخرت کے وقت فرمایا تھا کہ انسان انسان کی خدمت کرتا ہے اس کے کام آتا ہے۔ میری اگر کسی نے ذرہ برابر خدمت کی ہے تو میں نے اسے بڑھ کر بدلہ دیا ہے۔ لیکن ایک ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے احسانات کو میرا رب آخرت میں اسے لوٹائے گا۔ یہاں سے لیا علامہ مرحوم نے

ے آ امن الناس مولائے ما

ہمارے آقا و مولا پر روئے زمین پر سب سے زیادہ احسانات کرنے والا ہے۔

ے آں کلیم وادی سینائے ما

جس طرح پوری قوم بنی اسرائیل مختصر تھی اور ایک کلیم تھا جو وادی سینا میں محو راز و نیاز تھا۔ پوری امت مرحومہ الگ ہے اور ایک ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جو محو راز و نیاز ہے۔

ے آں کلیم وادی سینائے ما

ے دولت او کشت ملت راچو ابر

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ میں نے زندگی بھر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال کو اس طرح خرچ کیا ہے جیسا یہ میرا اپنا مال ہو۔ کبھی مجھے خیال نہیں آیا کہ یہ مال کسی دوسرے کا ہے۔ اس کا کوئی اور مالک بھی ہے۔ ہمیشہ اس طرح استعمال کیا ہے۔ خرچ فرمایا جس طرح میرا اپنا مال ہے۔

دولت او کشت ملت راچوں ابر
ثانی اثنین و غار و بدر و قبر

تو بہر حال میں ہٹتا جا رہا ہوں اپنے اس موضوع سے جو میں عرض کر رہا تھا۔ وہ یہ ہے کہ یہ ہے معیت رسالت۔ یعنی جب معیت نصیب ہوئی، توجہ نصیب ہوئی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو کیا ہوا؟ ایک شخص بیک وقت مجموعہ اضداد بن گیا۔ کافر اور کفر کے لئے شدید تر مومن اور نیکی کے لئے رحیم تر۔ پھر فرمایا۔

تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا ۔ تو اے مخاطب تو جب بھی دیکھے ان لوگوں کو رکوع اور سجود کر رہے ہوں گے۔ آپ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مثال ہی لے لیجئے تو کیا صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین صرف نمازیں پڑھتے رہے۔ اگر یہ کہا جائے تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام نے تو ایک عالم کو مسخر کر دیا۔ سیاسیات کے امام وہ، معاشیات کے امام وہ، اخلاقیات کے امام وہ، تعلیمات کے امام وہ، اور روئے زمین کی انسانیت کو

انسانیت تک پہنچانے والے وہ لوگ ہیں اور اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک۔ ترجمان نبوت بلکہ زبان نبوت کہو تو زیادہ موزوں ہو گا کہ اللہ نے جو پیغام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا اسے لے کر وہ مثل نسیم سحر پھیل گئے اور زمین پر ایک گدا کی جھونپڑی سے لے کر شہنشاہ کے محل تک لوگ ہیں جو زندگی بھر اقتدار کی طلب کرتے رہتے ہیں۔ لیکن پاتے تو جبلیں ہی ہیں۔ ان کی عمر قید میں ہی گزر جاتی ہے کتنے لوگ ہیں جو فتح کے لئے میدان میں اترتے ہیں اور قتل ہو کر شکست سے دو چار ہو جاتے ہیں۔ طلب کرنا اور بات ہے حاصل کر لینا اور بات ہے۔ تو ان میں طلب ہی طلب تھی یا ان لوگوں کو کچھ ملا بھی۔ خارجی کوششیں اپنی محنتیں کیا رنگ لاتی ہیں۔ وہ تو تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ کہ کبھی کامیاب بھی ہوتی ہیں اور اکثر و بیشتر ناکام بھی ہوتی ہیں۔

لیکن یہ جو توجہ تھی کسی کی اس توجہ سے جو طلب پیدا ہوئی اس کا انجام کیا ہوا۔ فرمایا سِیْمَا هُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ میری تجلیات کو اگر عالم آب و گل میں دیکھنا چاہتے ہو تو میرے جمال کو ان کی پیشانیوں پہ رقصاں پائے گا۔ یعنی یہ جو تڑپ پیدا ہوتی ہے توجہ سے یہ جو تڑپ اور طلب پیدا ہوتی ہے توجہ سے' اس میں ناکامی کا نام نہیں ہے۔ اس میں نہ پانے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ فرمایا اگر ان میں ذوق پیدا ہوا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ سے تو جتنا ذوق تھا اس سے بڑھ کر انہوں نے پایا۔ بلکہ اے مخاطب اے دیکھنے والے تو جب چاہے ان کے رخ روشن کی طرف دیکھ۔ میرے جمال کو میری تجلیات کو سِیْمَا هُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ ان کے چہروں پہ رقصاں پائے گا۔ تو ان کا ہر ہر سجدہ جمال یار سے مزین ہو کر پیشانی اٹھاتا ہے۔

تو یہ ہے توجہ کی اصل۔ تعلیمات ہر جا مل سکتی ہیں۔ برکات کہیں کہیں۔ اس لئے کہ یہ برکات نبوت سب سے پہلی بات تو آپ کو میں یہ بتاؤں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ برکات اس طرح بانٹیں جس طرح آپ کو زیبا تھیں۔ یعنی در رحمت کھولا تو صرف ایک پابندی لگائی کہ جو چاہے وہ آجائے۔ نہیں آئے گا تو محروم رہے گا۔ آنے والے پہ کوئی پابندی نہیں لگائی کہ آنے والا مرد ہے یا خاتون' آنے والا بوڑھا ہے یا بچہ۔ آنے والا امیر ہے یا فقیر۔ آنے والا عالم ہے یا جاہل ہے۔ جو بھی آیا علم کسی نے سیکھا تو عالم کہلایا۔ لیکن یہ کیفیات' ہر آنے والا شرف صحابیت سے مزین ہو گیا۔ بدوی تھا۔ صحرائی تھا۔ امیر تھا' فقیر تھا۔ مرد تھا خاتون تھی' بچہ تھا یا بوڑھا۔ جو بھی ایمان لا کر بارگاہ عالی میں حاضر ہوا اسے شرف صحابیت سے مزین فرمایا۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بانٹا نہیں لٹایا ہے۔ میں ایک دن ایک بزرگ کے حالات پڑھ رہا تھا۔ تو ان کی مجلس میں کسی نے کوئی ٹوکرا بھیج دیا فروٹ کا یا کھجوروں کا اب مجھے صحیح یاد نہیں۔ کچھ ایسی چیز تھی کھانے پینے کی۔ کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ تو انہوں نے خادم سے فرمایا بھئی یہ تقسیم کر دو۔ تو وہ کہنے لگا حضور خدائی تقسیم سے بانٹوں یا مصطفائی تقسیم سے۔ انہوں نے کہا یہ تو کیا کہتا ہے۔ اللہ کی تقسیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقسیم کوئی الگ الگ ہے۔ وہ کہنے لگا اللہ نے تو ہر چیز ایک اندازے سے تقسیم فرمائی تو اگر آپ کہیں تو اس طرح بانٹو تو پھر میں آدمی گنوں گا۔ کھجوریں گنوں گا۔ جتنی جس کو آتی ہیں اسی طرح بانٹوں گا۔ یہ لمبا کام ہے۔ تو انہوں نے پوچھا مصطفائی تقسیم کیا ہے؟ تو کہنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو لٹوایا ہے۔ جتنی ہاتھ میں آتی جائیں گی جس کی طرف بڑھتا جاؤں گا اسی پر لٹاتا چلا جاؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو لٹوایا ہے۔ بانٹنا اور شے ہے اور لٹوانا اور شے ہے۔ اور واقعی یہ اتنا بڑا منصب بغیر کسی قید کے لٹوانا یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی تھا فرمایا۔

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ یُعْطِیْ۔ ہمارا کام لٹوانا ہے دینا تو رب ہے۔ لیکن ہمارا تو کام ہی لٹوانا ہے۔

جسے تم موت کہتے ہو یہ حیات کا دوسرا رخ ہے۔ جو لوگ اس سے ڈرتے ہیں یا اس کا انکار کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اس کی تحقیق کریں۔ موت کسی فنا کا نام نہیں ہے۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی ہے
یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

موت زندگی کا وہ رخ ہے جو کبھی ختم ہی نہ ہو گا۔ زندگی نے ایک کروٹ بدلی اور فانی جہاں سے نکل کر ایک دائمی جہاں میں شروع ہو گئی۔ پھر اس کا وہاں کا پراسس ہے سٹیجز ہیں۔ اس کے مدارج ہیں کہ کن سے گزر کر کہاں تک جاتی ہے لیکن ختم نہیں ہوتی۔

اور یہ بھی یاد رکھ لو کہ حیات بھی باقی ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت بھی باقی ہے۔ دین بھی باقی ہے اور یہ ہمیشہ رہے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف فرما تھے۔ حیات وہی تھی لیکن دنیوی تھی اس کا تعلق عالم دنیا سے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برزخ میں تشریف لے گئے۔ حیات ویسی ہی ہے۔ لیکن احکام برزخ کے اس پر وارد ہوں گے۔ اس کی صورت حیات برزخی ہو گی۔ حیات ویسی ہی ہے لیکن صورت حیات دنیا کی ختم ہو گئی اور حیات برزخ کی ہے۔ جیسے آپ کہہ لیں کہ جو جس ملک میں مکیں ہے اس کے اعتبار سے۔

نبوت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے برکات بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیں۔ لیکن اس شرف کو پانے کے لئے اس عالم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات دنیوی کے زمانے میں اپنی زندگی دنیوی حیات اور اپنی پسند کو لے کر قربان کرنا ضروری تھا۔ لہٰذا صحابی وہی بن سکے جنہیں یہ سعادت نصیب ہوئی۔

مگر وہ برکات ختم نہیں ہوئیں۔ صحابہؓ نے پھر ان برکات کو بانٹا جس طرح دین کی تعلیمات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف صحابہؓ کو پہنچائیں پھر ساری انسانیت کو صحابہ نے پہنچائیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات صحابہ کو پہنچیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چشم عالم سے پردہ فرمانے کے بعد برکات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ نے بانٹا۔ صحابہ کی شان تقسیم بھی ایسی تھی کہ جو کوئی انسان صحابی بوڑھا تھا عالم تھا یا انپڑھ تھا۔ لیکن وہ تابعیت کے شرف سے مشرف ہو گیا ایک مجلس میں ایک نگاہ میں ان کے ساتھ ملنے سے۔ تابعین میں بھی یہ قوت بدرجہ اتم رہی کہ ان کی خدمت میں جو پہنچا وہ تبع تابعی کہلایا۔ لیکن جوں جوں زمانہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بچھڑتا گیا اس میں وہ طاقت کم ہوتی گئی۔ صحابی صحابی نہ بنا سکا تابعی بنایا اس نے۔ تابعی تابعی نہ بنا سکا۔ اس نے تبع تابعین کی جماعت پیدا کی۔ تبع تابعین ہر آنے والے کو سرفراز نہ کر سکے۔

تبع تابعین کے بعد پھر معاملہ اس طرح بدل گیا کہ اکثر لوگ علوم ظاہری تک پہنچے کچھ خوش قسمت ایسے تھے جنہیں علوم ظاہری کے ساتھ وہ توجہ بھی نصیب ہوئی اور پھر انہیں لمحوں میں نہیں پھر انہیں تبع تابعین کی خدمت میں عمریں بسر کرنا پڑیں۔ حالات بدل گئے۔ پھر لوگوں نے عمریں صرف کیں۔ لوگ تلاش کئے ان کی صحبت میں بیٹھے وہ انوارات جو ان کے قلوب پر تھے انہوں نے ان کے قلوب پر انڈیلے انہوں نے دل کا برتن کھول کے رکھا۔ اس میں وہ آئے۔ کسی قدر دین سے محبت آئی کسی قدر ان میں گناہ سے نفرت آئی۔ کچھ عقائد کی اصلاح ہوئی۔ کچھ خلوص آیا کچھ تھوڑا سا درد سجدے میں پیدا ہوا۔ تو یوں یہ سلسلہ انسانوں کی اپنی اپنی استعداد کے مطابق چلتا رہا جس طرح صحابہ جیسا کوئی عالم ظاہری نہ بن سکا اسی طرح کیفیات باطنی کا حامل بھی کوئی نہ بن سکا۔

ایک نانبائی کا تذکرہ میں نے پڑھا تھا کہ وہ روٹیاں بیچ رہا تھا۔ کسی نے قیمت پوچھی تو اس نے باسی روٹی کی قیمت دوگنی بتائی اگر تازہ آٹھ میں ہے تو باسی ایک روپے کی بیچ رہا تھا کسی نے کہا بابا تیرا دماغ خراب ہے جو تو نے کل پکائی تھی اس کا تو دو گنا معاوضہ مانگتا ہے اور جو آج پکائی ہے اس کی آدھی قیمت۔ کہنے لگا جو کل پکی تھی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک سے اس سے ایک دن قریب ہے۔ میں مہنگی بیچوں گا۔ کہنے لگا جو کل پکی تھی اس میں یہ نور جو ہے اس پر جو بسم اللہ میں نے پڑھی تھی اس کے لئے جو وضو میں نے کیا تھا اس پر جو محنت میں نے کی تھی اس میں برکات اس کی نسبت زیادہ ہیں۔ وہ پورا ایک دن اس سے قریب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے زمانے سے۔ اور واقعی اس نے بڑی بات کی۔ مسرور زمانہ جو ہے۔ ایک عرب شاعر نے کہا تھا۔

کبوتروں کی محبت مثالی ہوتی ہے اس نے کہا ہم بھی کبوتروں کے جوڑوں کی طرح محبت کرتے تھے۔ اور ایک گھونسلا تھا ہمارا اس میں بہت سکون سے وقت گزارتے تھے۔ یہی اسلام تھا یہی ہم تھے۔ یہی قرآن تھا یہی ہم تھے۔ یہی دین تھا۔ ہم تھے۔ یہی احکام تھے۔ یہی مسلمان تھا۔ لیکن ان کی محبت مثالی تھی۔ ان کے لئے دو الگ الگ گھر نہیں تھے۔ دو الگ گھونسلے نہیں تھے۔ ان کی الگ رائے نہیں تھی۔ ان کی الگ پسند نہیں تھی۔ اسلام کو جو پسند تھا وہی مسلمان کو پسند تھا اور بڑی محبت سے پسند تھا۔

کُنا کزوج حمامتہ فی ایکتہ۔ کبوتروں کے جوڑے کی طرح ایک ہی گھونسلے میں تھے۔ جوانی اور صحت سے مستفید ہوتے تھے۔ کہتا ہے۔

دخل الزمان بِنَا و فَرّقَ بیننا
انّ الزمان مفرق الاحباب

کہنے لگا بے شک زمانہ بڑا ظالم ہے۔ آدمی سے محبوب کا دامن بھی چھڑا دیتا ہے۔ یہ مسرور زمانہ ہی ہے نا کہ جس نے مسلمان کو حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سے محروم کر دیا۔ یارا کیسی عجیب بات ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ اور ہے۔ مسلمان کا حلیہ اور ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس اور ہے مسلمان کا لباس اور ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اور ہے مسلمان کی رائے اور ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد اور ہے مسلمان کی سوچ اور ہے۔ دخل زمان ایمان سے کہو اگر تم سارے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہوتے تو کیا کوئی کسر رہ جاتی تو پھر یہ زمانہ مار گیا نہ ہمیں۔

ہمیں پھر زمانے نے مار دیا ہم زمانے کی مار کھا گئے۔ تو وہ بابا سچ کہتا تھا کہ جسے قریب کا جتنا زمانہ نصیب ہے وہ اتنا خوش قسمت ہے۔ کہ وہ جوں جوں زمانہ در آیا تو وہ قوتیں اور وہ کیفیتیں وہ طاقتیں کم ہوتی چلی گئیں۔ لیکن ختم نہ ہوئیں اور نہ ہوں گی۔

کیونکہ نبوت جاری و ساری ہے تو نبوت کے دونوں پہلو تعلیمات نبوت بھی رہیں۔ برکات نبوت بھی رہیں گی تو اللہ نے دونوں کے لئے ادارے بنا دیئے۔ رب کریم نے اہتمام فرمایا کیونکہ اس کا وعدہ تھا کہ **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ۔** ہم نے اس کلام کو نازل فرمایا ہے اور اس کی حفاظت ہمارے اپنے ذمے ہے۔ ہم اس کی حفاظت کریں گے اور یاد رکھیں آپ کسی انسان کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں تو آپ یہ نہیں کہتے کہ کوئی اس کے بازو نہیں توڑے گا۔ کوئی اس کا دانت نہیں توڑے گا۔ کوئی اسے گولی نہیں مارے گا لیکن اگر کوئی اسے بھوکا پیاسا مار دے تو وہ میری ذمہ داری نہیں۔ مرتا ہے تو مر جائے۔ میں اس کا بدن بچاؤں گا۔ تو یہ تو حفاظت نہ ہوئی۔ حفاظت سے مراد تو اس کی حیات کو بچانا ہے۔ قرآن کی حفاظت سے مراد قرآن کی تفہیم کو بچانا ہے۔ متن قرآن تو پہلے محفوظ ہے۔ لوح محفوظ میں بھی ہے۔ قرآن کی تعلیم تفہیم ہے قرآن کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ورنہ تو کوئی قرآن سمجھ ہی نہیں سکتا۔

لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ عَلَیْھِمْ فرائض نبوت میں سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو بتائیں کہ ان پر جو نازل ہوا اس کا مفہوم کیا ہے۔ ہر شخص اپنی مرضی سے مفہوم مقرر کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ تو جو بتایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگر وہ مفہوم عنقا ہو جائے تو قرآن کی حفاظت کہاں رہی کوئی نہ رہی۔ اسی مفہوم کو پانے کے لئے تزکیئے کی ضرورت ہے۔ برکات نبوت کی ضرورت ہے۔

یزکیھم و یعلمھم الکتب والحکمتہ۔ تزکیہ تعلیم کتاب و حکمت اور اگر تزکیہ ہی اٹھ جائے تو تعلیم کہاں ہو گی۔ آپ اس تختی پہ لکھنا چاہتے ہیں جو پہلے سیاہ ہو چکی ہے۔ جسے صاف ہی نہیں کیا تو کیا لکھ پائیں گے۔ صفائی پہلے ہو گی۔ تزکیہ پہلے ہو گا۔ تحریر بعد میں نئی آئے گی۔ تو یہ وعدہ الٰہی اس فن کو بھی حاصل ہے کہ جب تک سورج کا سفر جاری ہے حاملان توجہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دنیا میں موجود رہیں گے۔ یہ

وعدہ الٰہی اس کو حاوی ہے یہ اس میں ہے ہاں یہ الگ بات ہے۔

یار اس بات پہ مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اگر لوگوں نے والدین کی نقل بنا لی، نقلی پیر بن گئے اور وہ لوگوں کو لوٹتے ہیں تو اس میں حیرت کی کونسی بات ہے کہ لوگوں نے تو نقلی نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ لوگوں نے نقلی خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔ نقلی ولی ہونے کا دعویٰ کر لیا تو کیا حیرت ہے۔ یعنی جب ایک انسان انسانی طرز تخلیق پیدا ہوتا ہے کسی کے گھر بچہ پیدا ہوتا ہے بمشکل پلتا ہے۔ سارے انسانی پراسس سے گزرتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں خدا ہوں لو اور تماشہ دیکھو کھاتا ہے پیتا ہے سوتا ہے۔ جاگتا ہے۔ محتاج ہے اور کہتا ہے میں خدا ہوں کتنی عجیب بات ہے۔ کذاب اور دجال کتنے گزرے ہیں زمانے میں جنہوں نے اپنی نبوت کا دعویٰ کر دیا تو ولایت تو اس کے مقابلے میں چھوٹی سی چیز ہے۔ اگر کسی نے ولایت کا دعویٰ کر لیا ہے۔ تو اس میں حیرت کی بات نہیں ہے بلکہ لوگ نہ کرتے تو حیرت ہوتی کہ اس میں اتنی عزت و احترام تھی اتنا پیار و محبت لوگ دیتے تھے تو لوگوں نے نقلی بنا کر کیوں نہیں بیچی یعنی جس چیز پہ جتنا زیادہ منافع آتا ہو اس کی نقل بھی بنتی ہے۔ لیکن ہر نقل کا پتہ ہے توڑ کیا ہوتا ہے آپ کہتے ہیں جی یہ جو سارے بازار میں جو غلہ ہے اس کا آٹا جو ہے یہ نقلی ہے اس میں آمیزش ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ آپ اصل کی بوریاں لگا دیں۔ کسی دکان پر لوگوں کو پتہ تو چلے اصل ہوتا کیا ہے۔ پھر وہ نقل خریدنے سے باز آ جائیں۔ آپ گالیاں دیتے پھریں۔ اشتہار لگاتے پھریں کہتے پھریں جب ہے ہی نقل تو لوگ نقل لیں گے۔ کہاں جائیں۔ تو نقل کا علاج یہ نہیں تھا کہ اصل کا بھی انکار کر دیا جاتا اگر نقل زیادہ ہو گئی تھی تو ہم سب کے ذمے تھا کہ اصل کو تلاش کر کے مارکیٹ میں لاتے اور بتاتے کہ اصل یہ ہے کہ یہ آدمی بدکار تھا فلاں مجلس میں بیٹھا دیکھ لیں نیک ہو گیا اسے برائی سے نفرت ہو گئی اس کے عقائد کی اصلاح ہو گئی اس کے اعمال کی اصلاح ہو گئی۔ یہ جو محض دنیاوی شہرت کے لئے لپکتا تھا یہ محض اللہ کی رضا کے لئے کام کرتا ہے۔ یہ لوگ جو محض گناہوں میں یا کلبوں میں جن کی رات گزر جاتی تھی۔ اب اس کی سحری مسجد میں ہوتی ہے۔ کتنا بڑا فاصلہ ہے کلب گھر سے، شراب خانے سے مسجد تک کا کتنا بڑا فاصلہ ہے اور یہی وہ توجہ ہے یہی وہ تاثیر ہے۔

صوفیاء کے نزدیک شیخ کہلانے کا مستحق وہ شخص ہے جو اگر کچھ بھی نہ کرا سکے تو طالب کو روحانی طور پر اس قدر بلندی تک لے جائے کہ اسے برزخ میں لے جا کر بارگاہ رسالت میں پیش کر سکے۔ یہ تصوف کی بیعت کے لئے کم از کم شرط ہے۔ جو شخص تصوف کی بیعت لیتا ہے اس میں کم از یہ استعداد ہونی چاہئے۔ اگر اس میں یہ استعداد نہیں تو اصلاح کی بیعت لے سکتا ہے۔ تصوف کی نہیں۔

اور توجہ یہ ہے کہ اس طالب کو اپنے پاس بٹھا کر اللہ کا ذکر کرائے۔ اور اپنے دل کی قوت اپنے دل کے انوارات اس کے دل تک القا کر کے اس کے دل کو اس طرح روشن کرے کہ وہ زینہ بزینہ ترقی کرتا ہوا ہر آن فنا فی الرسول کے قریب ہوتا چلا جائے یا کم از کم اسے فنا فی الرسول نصیب ہو۔

اب اس میں اگر لوگوں نے رنگ آمیزی کر لی کہ پیر کی برکت سے اولاد ملے پیر کی برکت سے صحت ملے پیر کی برکت سے دولت ملے تو یہ رنگ آمیزی لوگوں کی ہے۔ یہ شیخ کی ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ کے مقدمات جیتے اس لئے میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ ہمارے مشائخ تو اکثر مقدمات ہارا کرتے تھے۔ نہ باہر نکلے نہ عدالت میں گئے نہ کسی کو رشوت دی نہ کام کرنے کی فرصت ملی وہ اپنے ہارا کرتے تھے کسی کے کیا جیتیں گے۔ اگر شیخ کے ذمے آپ کو صحت دینا ہے تو میں نے تو ان لوگوں کو اکثر بیمار ہی پایا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ دنیا میں اتنا کام کرتے ہیں شاید انسان اتنا کام نہ کر سکیں۔

آپ بزرگان دین کی تصانیف دیکھیں ایک شخص فوت ہوئے تو کم و بیش اسی کے قریب ان کی عمر بنتی ہے۔ اور ان کی تصانیف پہ تقسیم کیا جائے تو پیدا ہونے کی تاریخ سے وفات کی تاریخ تک اٹھارہ صفحے روزانہ بنتے ہیں۔ اتنے تو پڑھے بھی نہیں جاتے عام آدمی سے یہ اٹھارہ صفحے پوری زندگی کی مطالعے کے

کوئی نہیں دے سکتا تصنیف کرنا تو بہت بڑا کام ہے۔ مختلف کتابوں سے مختلف جگہوں سے مواد کو لے کر یکجا کرنا۔

تو یہ لوگ اتنا کام کرتے ہیں کہ ان کی حیات بھی اور ان کی صحت بھی بجائے خود ایک کرامت ہوتی ہے کبھی میڈیکل سائنس اسے سمجھ ہی نہیں سکی یہ لوگ کیسے جیتے ہیں۔ اور یہ کتنا کام کرتے ہیں اور کس استعداد سے کرتے ہیں۔ ہمیں اس سے غرض نہیں ہے۔ ہماری غرض یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو کس حد تک اس کے سپرد کرنے کو تیار ہیں۔ طالب کی طرف سے سپرد کرنے کا عمل ہے کہ اپنی رائے ہم کتنی رکھتے ہیں اور اس سے بات کتنی کرتے ہیں۔ پھر اس پر ہے کہ وہ ہم پر کتنی محنت کرتا ہے۔ اور کس حد تک اور یہ حق ہے کہ اگر کسی کے دل میں کچھ بھی ہو تو وہ کم از کم ہمیں برائی سے متنفر اور نیکی کا طالب تو بنا ہی دے نا۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو فائدہ نہیں ہے وقت ضائع کرنے کا پھر کوئی اور دروازہ تلاش کرنا چاہئے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر شخص پہلے دن ولی کامل نہیں بن جاتا اگر میں سو گناہ کرتا تھا۔ اور شیخ کے پاس بیٹھا تو سو سے ننانوے ہو گئے تو یہ بھی میری ترقی ہے اور اگر سو سے ایک سو ایک کی طرف چل پڑا تو پھر مجھے وہ شیخ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ فلسفہ شیخ کی توجہ کا اور یہ اللہ کا شکر ہے کہ رب جلیل نے ہمیں جس سلسلہ عالیہ سے منسلک فرمایا ہے اور جو شیخ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ہمیں نصیب ہوئے انہوں نے اس گئے گزرے زمانے میں قرون اولیٰ کی یاد تازہ کر دی وہ عجیب شخص تھا۔

حیرت ہوتی ہے اس کی جرت رندانہ پر کہ اس نے ہر آنے والے کے لئے تصوف کا دروازہ کھول دیا اور یہ کام چودہ سو سال بعد پہلی دفعہ ہوا ہے۔ تبع تابعین کے بعد یہ جرات رندانہ چودہ صدیوں میں کسی نے نہیں کی لوگوں کے پاس کروڑوں لوگ آئے لاکھوں لوگ آئے ان میں سے تین چار پانچ دس چن کر انہیں تصوف اور تزکئے کی تعلیم دی باقی سب کو تعلیم ظاہر پر رکھا۔ یہ ایک عجیب شخص تھا اللہ کی اس پر کروڑوں رحمتیں ہوں کہ اس نے ہر آنے والے کے لئے دل کے دروازے کھولے اور ہر آنے والے کو کیفیات قلبی تقسیم کیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سنت چودہ سو سال بعد ہمارے شیخ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے زندہ فرمائی اور یہ تاریخی حقیقت ہے اپنا باپ ہر ایک کو اچھا لگتا ہے ہر ایک کو حق ہے کہ وہ اپنے باپ کو اچھا ہی سمجھے لیکن بعض ایسے حقائق ہوتے ہیں جو تاریخ منوا لیتی ہے۔ اور یہ بات اب اتنی پرانی ہو چکی تھی کہ لوگ ہم پہ یہی اعتراض کرتے ہیں۔ آپ ہر آنے والے کو بتا دیتے ہیں۔ پہلے بزرگ تو کسی کو بتاتے تھے؟ یعنی لوگ اس قدر نالائق ہو چکے ہیں اس چیز سے کہ اب اس بات پہ حیران ہیں کہ ہر ایک کو مل سکتی ہے۔ ہر ایک کو اسلام مل سکتا ہے۔ ہر ایک کو ایمان مل سکتا ہے تو ہر ایک کا تزکیہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کسی کے باپ کی وراثت ہے؟ کسی ایک خاندان کے لئے ہے؟ اللہ کا قرآن پیغمبر کی توجہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا اور تزکیہ کسی ایک خاندان ایک فیملی یا خاص اشخاص کے لئے ہے؟ نہیں پوری امت کے لئے ہے۔ مردوں کے لئے خواتین کے لئے بچوں کے لئے بچیوں کے لئے بوڑھوں کے لئے جوانوں کے لئے علماء کے لئے۔ انپڑھوں کے لئے۔ یہ سب کے لئے دروازہ کھلا ہے اب یہ الگ بات ہے کہ کسی کے علم ظاہر بھی ہے تو ظاہر ہے وہ انپڑھ کی نسبت زیادہ لوٹ لے گا اور اسے طریقہ آتا ہو گا' سلیقہ آتا ہو گا۔ عمل کرنے کا ڈھنگ آتا ہو گا۔ عقائد صرف ستھرے ہوں گے۔ یا جو جو جتنی محنت یا جتنا جتنا جذبے سے داخل ہو گا۔ اتنا وہ زیادہ لے جائے گا۔

تو میرے بھائی اسے کہتے ہیں شیخ کی توجہ اور یہ کیفیات جو ہیں یہ بغیر توجہ کے نصیب نہیں ہوتیں۔ محض ثواب لینا ایک الگ بات ہے۔ اور اس ثواب کے ساتھ کیفیات بھی حاصل کرنا یہ الگ بات ہے۔ جنت میں ہر طرح کی نعمتیں ہوں گی۔ کھانا پینا بھی' رہائش بھی لباس بھی صحت بھی ہر طرح کی نعمتیں لیکن اس کے ساتھ جنت کی سب سے بڑی نعمت دیدار باری ہو گا۔ اب کوئی قناعت کرتا ہے وہاں تک پہنچ کر وہاں پر رہنے تک تو اس کی مرضی اور کوئی وہاں جا کر بھی جمال باری کی تڑپ رکھتا ہے تو اس کی اپنی طلب ہے تو یہ راستہ صاحب جنت کو پانے کا ہے۔

ذکر اللہ

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ○ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ پارہ سورۃ النور۔ آیات۔ (-

سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ہمارے دور کا انسان بنیادی طور پر ذکر اذکار سے نہ صرف یہ کہ خود دور ہے بلکہ وہ اس کی ضرورت کے احساس سے محروم ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے غیر ضروری کام کو بھی کسی دوسرے کو بھی کرتا دیکھ کر خوش نہیں ہوتا ورنہ تو جہان میں کتنے کام ہیں کتنے امور ہیں۔ جنہیں ہم ضروری نہیں سمجھتے۔ لیکن اگر کوئی دوسرا کر رہا ہو تو ہم اس کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ لیکن ذکر کے ساتھ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ آج کا مسلمان اسے نہ صرف غیر ضروری سمجھتا ہے بلکہ اس کی مخالفت کرتا ہے۔ ایک طبقہ جو ذکر کی موافقت کرتا ہے اور اس کا قائل ہے وہ پھر ذکر اذکار یا مراقبات یا اس طرح کے اشغال جو ہیں انہی کے گرد اس کی ساری زندگی جو ہے وہ گھومتی رہتی ہے پھر وہ اس کی ضرورت و اہمیت کو اس انداز سے لیتا ہے کہ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں کرتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص عملی زندگی سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اپنی ذمہ داریوں میں کوتاہی کرتا ہے۔ بال بچے کی نگہداشت میں کوتاہی کرتا ہے۔ بزرگوں کی خدمت میں کوتاہی کرتا ہے۔ معاشی طور پر اپنا نقصان کرتا ہے اور اس طرح کی بہت سی ایسی باتیں ہیں جو پھر دوسروں کو ذکر اذکار سے متنفر کرنے کا سبب بنتی ہیں۔

لیکن اسلام اللہ جل شانہ نے ایسا دین عطا فرمایا ہے جو انسانی عقل و شعور اور بصیرت کے مطابق ہے۔ اور اس میں خلاف عقل کوئی بات نہیں۔ یعنی عقل کے تابع نہیں ہے لیکن جو بھی حکم دیتا ہے وہ عقل کو بھی قبول کرنا پڑتا ہے۔ کہ یہی صحیح راستہ ہے۔

تو اسلام نے ان دونوں باتوں سے روکا ہے۔ ذکر نہ کرنے والوں کی بہت بڑی تاویل یہی ہے کہ جو عبادات ہم کرتے ہیں مالی یا بدنی یہ عبادات بھی ذکر الٰہی ہیں حالانکہ حق یہ ہے کہ عبادات بھی ذکر الٰہی ہیں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ عبادات ہی ذکر الٰہی ہیں بلکہ یہ درست ہے کہ عبادات بھی ذکر الٰہی ہیں۔ لیکن اللہ کا حکم اللہ کی کتاب میں ان کے علاوہ بھی ذکر کرنے کا موجود ہے۔ عبادات بھی اللہ کا ذکر ہیں۔ نماز بھی اللہ کا ذکر ہے۔ تلاوت بھی اللہ کا ذکر ہے۔ روزہ بھی اللہ کا ذکر ہے۔ حج بھی اللہ کا ذکر ہے۔ زکوٰۃ بھی اللہ کا ذکر ہے۔ حتیٰ کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے

سے بڑا کام جو ہم اسلامی عقیدے کے مطابق اللہ کا حکم جو ہے اس کے مطابق اور اس طریقے کے مطابق جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے۔ دو باتیں جس کام میں پائی جائیں۔

اللہ کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف نہ ہو۔ وہ کام ذکر الٰہی ہے۔ اس میں خواہ معاملات ہوں دوستیاں یا دشمنیاں ہوں یا زراعت ہو یا کھیتی باڑی کا ہو۔ کاروبار ہو یا ملازمت ہو۔ اولاد کی پرورش ہو یا ازواج سے تعلق ہو۔ والدین کی خدمت ہو۔ اساتذہ کا ادب و احترام ہو یا نیک لوگوں کی عزت ہو یا بدکاروں سے نفرت ہو یا بری مجلس سے دور رہنے کا ہو تو غرض زندگی کا ہر فعل ذکر الٰہی ہے جب کہ وہ اللہ کے حکم اور نبی کی سنت کے مطابق ہو۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لیکن اس سب کے ساتھ قرآن حکیم نے پھر محض اللہ کے ذاتی نام کی تکرار کا حکم دیا ہے۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اپنے پروردگار کے ذاتی نام کی تکرار فرمایئے۔ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا۔ اور اتنی شدت سے صرف اللہ اللہ اللہ دہراتے جایئے' دہراتے جایئے اس درجے تک چلے جایئے کہ صرف اللہ ہی اللہ رہ جائے نگاہ میں بھی ذہن میں بھی اور ساری کائنات ما سوائے اللہ جو ہے اس سے کوئی تعلق نہ رہے۔ تبتل ہوتا ہے پوری طرح سے کٹ جانا کوئی علاقہ نہ رہنا اور صرف تبتیل پر ہی قرآن نے اکتفا نہیں فرمایا۔ تبتل الیہ تبتیلا۔ اس طرح سے کٹ جاؤ ماسوا سے جس طرح کٹ جانے کا حق ہوتا ہے۔

تو یہاں اس آیہ کریمہ میں رب جلیل نے ان دونوں امور کے درمیان جو راستہ عین اسلام کا ہے وہ ارشاد فرمایا ہے۔ فرمایا۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ فرمایا مرد تو وہ ہیں جو کار گہ حیات میں عملی طور پر حصہ لیتے ہیں۔ کاروبار کرتے ہیں۔ تجارت کرتے ہیں۔ ملازمت کرتے ہیں۔ میدان عمل میں عملی طور پر وہ شریک ہیں لیکن ان کی یہ عملی شراکت جو ہے کاروبار حیات کی بال بچوں کی مزدوری کی ملازمت کی' کھیتی باڑی کی گھر بار کی خاندان کی دوستی اور دشمنیوں کی یہ سارے امور انہیں اللہ کے ذکر سے روک نہیں سکتے۔ یہ نہیں کہ وہ اللہ کے ذکر کے لئے سارے کام چھوڑ دیتے ہیں نہیں فرمایا ان کی مردانگی یہ ہے کہ میرے جو بندے ہیں جو میرے طالب ہیں یا جو اپنے آپ کو مرد کہلوانا چاہتے ہیں۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ مرد کی تعریف کیا ہے تو آپ نے فرمایا "طالب الدنیا کلبٌ" دنیا کا طلب گار تو کتا ہے۔ وہ تو انسان ہی نہیں جو محض دنیا کے حصول کے لئے اللہ کی اطاعت چھوڑ دے۔ دین کو چھوڑ دے یا آخرت کی پرواہ نہ کرے اسے تو انسان نہیں سمجھنا چاہئے۔ طالب الدنیا کلب۔ وہ تو کتا ہے۔ "طالب العقبیٰ مونث" جو شخص اس بات پہ اللہ کی عبادت کرتا ہے کہ مجھے اخروی نعمتیں مل جائیں۔ اسے مرد نہیں کہنا چاہئے۔ یہ تو عورتوں کا طرز حیات ہوتا ہے کہ وہ اس لئے نباہ کرتی رہتی ہیں کہ گھر ہے ایک چھت ملی ہوئی ہے ٹھکانہ ہے اگر خاوند کو چھوڑ دیں گی تو کہاں جائیں گی۔ یہ ان کی مجبوری ہوتی ہے۔ کہ وہ اچھا ہے یا برا ہے۔ وہ نیک ہے یا بد ہے۔ انہیں محبت کرتا ہے یا غصے ہوتا ہے اچھی طرح سے کھانا پینا دیتا ہے یا تنگی سے گزارا ہے۔ لیکن بہر حال وہ کہتی ہیں کہ اور تو کوئی سر چھپانے کی جگہ نہیں اس سے گزارا کرنا چاہئے تو اگر کوئی اس لئے عبادت کرتا ہے کہ اور کوئی جائے پناہ نہیں عبادت کر کے آخرت کا ٹھکانہ بنانا چاہئے تو انہوں نے فرمایا طالب العقبیٰ مونث وہ عورت ہے۔ اور طالب المولیٰ مذکر۔ جو اللہ کا طالب ہے وہ مرد ہے۔ مردانگی یہ ہے کہ اللہ کے حضور اس کے حصول اس کے دیدار کی طلب کھینچ کے لے جائے یہ مردانگی ہے۔

میں برسوں اپنی ڈاک دیکھ رہا تھا۔ اس دفعہ کچھ میرا خیال بن رہا تھا کہ میں مغرب کو نہ جاؤں۔ بڑا مشکل ہے یورپ میں امریکہ میں کینیڈا میں رہنا جانا برداشت کرنا بہت مشکل ہے۔ آدمی یہاں بیٹھ کر سن کر وہاں سمجھ نہیں سکتا کہ کس طرح سے وہاں

رہنا پڑتا ہے۔ گزرنا پڑتا ہے۔ تو بہت ہی ناگوار سا مشکل سا تجربہ ہے۔ میرا پروگرام تھا کہ ڈھائی مہینے کا' اسے میں نے ڈیڑھ مہینہ کیا۔ بھئی یہ بھاگنے کے راستے ہیں۔ خیال میرا یہی تھا کہ سرے سے نہ ہی جاؤں تو پرسوں مجھے ایک خط ملا' لندن سے۔ ایک ڈاکٹر ہیں لندن میں بہت مانے ہوئے سرجن' تھے تو پاکستانی ہی۔ لیکن عرصہ بیت گیا وہاں پڑھا پھر وہاں پریکٹس شروع کی۔ اب وہ وہاں کے مانے ہوئے سرجن ہیں۔ انہیں فرصت ہی نہیں ہوتی۔ شادی کی وہیں بیوی لے کے بچے ہوئے اولاد وہیں ہوئی وہیں پڑھے لکھے کیونکہ اسی ماحول کا ایک حصہ تھے۔ پھر انہیں یہ اللہ اللہ نصیب ہوئی تو پہلے تو خود خط لکھا کرتے تھے کہ یار میں بس آپ کے ملنے سے اور آپ کی ملاقات سے متاثر ضرور ہوں لیکن جو کچھ کرتا ہوں مجھے اس میں نہ کوئی مزہ آتا ہے نہ سمجھ آتی ہے بس میں یہ کر رہا ہوں کہ میں نے آپ سے کہا تھا وعدہ کیا تھا میں نے کہا چلو کرتے رہو کبھی کر لیا کبھی چھوڑ دیا لیکن میں کچھ نہ کچھ کرتا رہتا پھر ان کا خط آیا کہ میں ذکر تو باقاعدگی سے کرتا ہوں لیکن اس میں لذت بڑی ہے۔ کاش میری فیملی بھی میرے گھر والے بھی ذکر کرتے انہیں تو نماز بھی نہیں آتی۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں انہیں اللہ اللہ پہ لگا لو خود سیکھ جائیں گے۔ پھر اس کا خط آیا جی اب میری بیوی بھی ذکر کرتی ہے۔ میرا لڑکا بھی ذکر کرتا ہے۔ ایک لڑکا ہے جو سکول میں ہوتا ہے وہ ابھی نہیں کرتا۔ میں نے کہا خیر ہے لگے رہو اگلے دن اس کا خط میرے پاس آیا اس نے بڑی عجیب بات لکھی۔

آپ کے پاس تو معتکف حضرات ہوں گے۔ رونق لگی ہوگی۔ سب سے خط کے ذریعے دعا کی درخواست بھی کیجئے گا۔ اب ثمنا" بات آ گئی تو خط کی دعا کی درخواست بھی پہنچ گئی۔ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ کریم مجھے نجات دے دے اس کے آگے اس نے جو کچھ لکھا ہے بڑی عجیب بات ہے کہتا ہے حضرت مجھے نجات میں کوئی جنت وغیرہ کا تو کوئی نہیں مجھے شعور ہے کہ وہ کیا ہو گی کیسی ہو گی کیا نہیں ہو گا کیا ہو گا لیکن نجات کا میں بڑی شدت سے طلب گار ہوں - اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے نجات نصیب ہو اور میں ان لوگوں سے مل سکوں۔ جن کے اسماء گرامی میں شجرہ میں پڑھا کرتا ہوں۔ یعنی آپ ایک آدمی کی تبدیلی دیکھیں وہ کہاں سے چلا۔ وہ بندہ جو دنیا پہ بکا ہوا تھا وہ بندہ جسے ہوش ہی نہیں تھا۔ اللہ کی عظمت کا جسے ہوش ہی نہیں تھا۔ دین کا جسے آخرت کی فکر ہی نہیں تھی۔ اسے ذکر کی برکات کن بلندیوں پر لے گئی کہ اب وہ دو عالم سے مستغنی ہے۔

اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر شیخ مکرم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تک کا کہتا ہے ان ہستیوں کی زیارت ہو جائے ان سے ملنا نصیب ہو جائے۔ جن کے سینوں سے ہوتا ہوا نور کا یہ سیلاب ہم تک بھی پہنچا۔ کاش میں انہیں دیکھ سکوں۔ انہیں مل سکوں۔ ان کے پاس بیٹھ سکوں۔

قرآن حکیم نے بھی یہاں بڑا لطیف اشارہ فرمایا ہے۔ ذکر کا حکم خواتین کے لئے بھی ہے مردوں کے لئے بھی ہے۔ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔ کثرت سے ذکر کرنے والے مرد کثرت سے ذکر کرنے والی خواتین لیکن یہاں وہ ذاکرین کو خواہ وہ خواتین ہوں یا وہ مرد ہوں سب کو مرد شمار فرماتا ہے۔ تو یہ مردوں کا کام ہے۔

مردانگی کی ان کی حقیقت یہ ہے لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وہ کاروبار حیات کرتے ہیں لیکن وہ کاروبار حیات انہیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتا۔

وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ۔ وہ بدنی عبادتیں کرتے ہیں۔ وہ مالی عبادتیں بھی کرتے ہیں۔ دو ہی طرح کی تو عبادات ہیں یا ان کا تعلق جسم سے ہے۔ جان سے ہے۔ بدن سے ہے۔ یا مال سے ہے۔ اس لئے قرآن کا اسلوب ہے کہ آپ اکثر دیکھیں گے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ اس پر اس لئے بس کر دیتا ہے کہ اس سے مراد صرف نماز اور زکوٰۃ نہیں نماز سے مراد تمام عبادات ہوتی ہیں۔ صلوۃ سے مراد اور زکوٰۃ سے مراد تمام مالی عبادتیں ہوتی ہیں۔

تو فرمایا مرد تو وہ ہیں جو دنیا کے کاروبار سے بھاگتے نہیں اور

ذکر کی اہمیت سے جی نہیں چراتے۔ کاروبار بھی کرتے ہیں۔ جہاد بھی کرتے ہیں۔ کاشتکاری کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں۔ اولاد کی پرورش اور بیوی بچوں کی دیکھ بھال بھی کرتے ہیں۔ والدین کی خدمت اور دوستوں سے دوستی اور دشمنوں سے دشمنی بھی رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ تمام بدنی عبادات نماز روزہ حج وغیرہ بھی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ تمام مالی عبادات بھی کرتے ہیں اور یہ سارا کام کرنے کے باوجود پھر محض میرے نام کی تکرار بھی کرتے ہیں۔ نہ وہ بات پسند کی کتاب اللہ نے کہ ذکر کی ضرورت ہی نہیں اور نہ یہ بات پسند کی کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گوشے میں بیٹھے فرمایا۔ مردانگی یہ ہے کہ جنہوں نے تو یاد الٰہی کو چھوڑا دنیا کو نہ چھوڑ سکے انہیں تو انسان کہنا حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے مطابق درست نہیں ہے لیکن جو صرف اس بات پر اڑ گئے کہ جی فرض نمازیں اور فرائض پورے ہو جائیں جنت مل جائے گی اور موج کریں گے مردوں میں وہ بھی نہیں قدم رکھتے۔ مردانگی کامعیار قرآن نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ عملی زندگی بھی پوری طرح سے' بھر پور انداز سے' ایک میدان عمل میں زندہ انسان ثابت ہو اور ذکر الٰہی بھی کرے اور دوسرے لوگوں کی جو عبادت کوئی ذکر کہہ کر چھٹی کر جاتے ہیں ان کے ساتھ عبادات میں بھی ان سے زیادہ بڑھ کر عبادت کرے۔

اور فرمایا یہ سارا کچھ کرنے کے بعد فخر نہیں کرتے۔ اکڑتے نہیں کہ بڑے بزرگ ہو گئے یا ہم تو بڑا تیر ہم نے مارا پھر یہ سارا کچھ کر کے یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ۔

پھر میدان حشر سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں کہ اللہ تیرے احسانات زیادہ ہیں۔ میرے اذکار بہت کم ہیں۔ تیرے احسانات کی کوئی حد نہیں۔ میری عبادات محدود بھی ہیں اور بیکار بھی ہیں جیسا میں ہوں ویسی میری عبادات ہیں۔ جتنی مجھ میں طاقت ہے۔ جتنی مجھ میں استطاعت ہے جتنا کچھ میرے اندر خلوص ہے۔ جتنا کچھ خشوع و خضوع ہے۔ کہاں تیری بارگاہ کی عظمت کہاں میرے یہ بے کیف سجدے۔ کہاں تیرے نام نامی کی عظمتیں اور بلندیاں کہاں میرا یہ بے ذوق سا ذکر۔ کجا تو کجا میں۔ بڑے فاصلے ہیں میں تو کچھ بھی نہیں کر سکا اگر واقعی حساب ہو۔

مفسرین نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہوا ہے۔ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا وہ آبادی چھوڑ کر ایک چھوٹے سے ٹاپو پہ چلا گیا۔ گرداگرد سمندر تھا۔ درمیان میں چھوٹا سا ایک جزیرہ تھا۔ ٹاپو پر تھوڑی سی زمین تھی اس میں ایک پہاڑی تھی۔ جو سمندر سے اوپر ابھری ہوئی تھی۔ وہ کسی تختی کسی بجرے کسی کشتی پر بیٹھ کر وہاں جا اترا اور پھر ساری زندگی وہیں رہا۔ وہاں اس نے چار سو برس کی طویل عمر بسر کی کیونکہ اس زمانے میں عمریں بہت طویل ہوتی تھیں۔ چار سو برس تک اس نے کسی انسان کو نہیں دیکھا کسی سے بات نہیں کی نہ کسی کا وہاں گزر ہوا۔ اور سوائے یاد الٰہی کے اور سوائے رکوع و سجود کے۔ حتیٰ کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رب جلیل نے اس کے لئے پانی کا ایک چشمہ پیدا فرما دیا اور اس پر پھل دار ایک بیل کوئی انگور قسم کی پیدا فرما دی۔ وہی اس کا کھانا پینا تھا۔ اور چار سو سال مسلسل وہ وہیں یاد الٰہی اور عبادت میں بسر ہو گئے۔ حتیٰ کہ جب اس کے موت کا وقت آیا تو اسے ہاتف نے آواز دے کر کہا کہ تیری زندگی کا انجام قریب ہے اور اگر تو کچھ خواہش آرزو رکھتا ہو تو رب جلیل فرماتے ہیں کہ دعا کرے تو اس نے دعا کی بار الٰہیہ میں موت سے بھاگنا تو نہیں چاہتا لیکن میری آرزو یہ ہے کہ میں سجدے میں جاؤں تو ملک الموت میری روح قبض کرے۔ اور حشر کو میں اٹھوں تو میرا وجود اسی سجدے سے اٹھایا جائے۔ تو حدیث شریف میں ہے کہ اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی۔ بلکہ ایک جگہ ایک شرح میں میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ آپؐ نے فرمایا کہ جبرائیل امین بتاتا ہے کہ میں اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کو آؤں تو آسمان سے آتے جاتے اس پر میری نگاہ پڑتی ہے۔ اس کا وجود نہ خراب ہوا نہ فرسودہ ہوا نہ کوئی اور وہاں پہنچا۔ اللہ نے ایسی اس کی حفاظت فرمائی کہ وہ سجدے میں پڑا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب

میدان حشر میں مخلوق حساب کے لئے پیش ہو گی تو اس بندے کا بھی جب حساب آئے گا تو اللہ کا حکم ہو گا کہ میرے اس بندے کو میری رحمت سے میری بخشش سے جنت میں داخل کر دو۔ **ادخلو عبدی جنتی برحمتی۔** اس طرح کے الفاظ ہیں مجھے اب صحیح یاد نہیں۔ اللہ معاف فرمائے۔ مفہوم یہی ہے کہ میری رحمت سے میرے بندے کو جنت میں داخل کر دے تو حضورؐ فرماتے ہیں اس وقت وہ کہے گا یا اللہ تیری رحمت کی تو کوئی انتہا نہیں یہ تو ٹھیک ہے یہ تو ملنا لیکن کچھ نکریں تو میں نے بھی ماری تھیں۔ میں کسی انسان سے ملا نہیں گھر بار والدین چھوڑ دیئے کاروبار زندگی چھوڑ دی آبادیاں چھوڑ دیں۔ میں نے انسانوں کا ملنا ہی چھوڑ دیا۔ جب میں کسی سے ملوں گا ہی نہیں تو گناہ کا تصور ہی نہیں ہو گا۔ پھر میں صرف خطا سے الگ نہیں رہا بلکہ میری صدیاں بیت گئیں تیرے سجدے کرتے تیری رحمت کی تو کوئی انتہا نہیں لیکن اس جلا وطنی اور ترک وطن کی ترک دنیا کی اس کی بھی تو کوئی قیمت ہو۔ تو آپؐ فرماتے ہیں اللہ فرمائے گا۔

بے شک بہت بڑی قیمت ہے اس کی۔ حکم ہو گا اس کا حساب کرو اور میری نعمتیں بھی گن لو اور اس کی عبادتیں بھی گن لو۔ تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ صرف آنکھ کی قیمت پوری نہیں ہو گی۔ عنداللہ جو سٹینڈرڈ ہے جو معیار ہے جتنی اس کی قیمت ہے یا جتنا اس نے چار پانچ سو سالہ زندگی میں آنکھ کی بینائی کو استعمال کیا ہے اتنی وہ عبادت نہیں کر سکا باقی نعمتیں تو باقی بچ گئیں تو حکم ہو جائے گا کہ یہ عدل کا طالب ہے تو اسے جہنم بھیج دو جب تک تمام نعمتوں کے عوض جتنی عبادت ہونی چاہئے اس کی وہ کمی پوری نہیں ہوتی تب تک جہنم میں رہے گا۔ اس وقت وہ چیخ کر کہے گا یا اللہ اگر مجھ سے ہی بھول ہو گئی تو میری ایک بھول تو معاف کر ہی دی جائے۔ میری اک یہ خطا تو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر ارشاد ہو گا کہ اس کی پسند پر ہے عدل چاہتا ہے تو اسے جانے دو جہنم میں ہاں اگر رحمت کا طالب ہو تو وہ اس کے لئے وافر ہے۔ اسے جنت بھیج دو۔

یعنی اگر ہم عبادت بھی کریں۔ ذکر بھی کریں۔ مراقبات بھی کریں تو جو اللہ کی نعمتیں استعمال کرتے ہیں وہ کہاں گئیں۔ ہم سے جو گناہ ہوتے ہیں ان کی وہ ستر پوشی ہی کر لیتا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ہمارا بھرم قائم رکھتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی شخص جو کچھ دن بھر اس کے منہ سے نکلتا ہے دانستہ یا نادانستہ اگر وہ لکھنا شروع کر دے تو شاید شام کو وہ خود بھی ساری ڈائری پڑھنا پسند نہ کرے۔ چہ جائیکہ ہر لفظ اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا۔

ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید۔ جو لفظ تمہارے ہونٹوں سے نکلتا ہے وہ لکھ لیا جاتا ہے۔

تو اللہ فرماتے ہیں میرے وہ بندے مرد ہیں فرمایا مرد وہ ہیں جنہیں تجارت کاروبار حیات اللہ کے ذکر سے نہیں روکتا۔ نہ اللہ کی عبادات سے روکتا ہے اور کاروبار حیات بھی اللہ کے حکم اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق کرتے ہیں۔ عبادات بھی دوسروں سے بڑھ کر کرتے ہیں۔ ذکر اذکار بھی کرتے ہیں۔ اور پھر میرے بندوں کی شان یہ ہے کہ۔

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ۔ اسی دن سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں جب دل الٹ جائیں گے۔ نگاہیں پھر جائیں گی۔ ہیبت سے قلوب الٹ پلٹ ہو جائیں گے۔ نگاہیں پتھرا جائیں گی۔ لیکن فرماتا ہے میری شان یہ ہے کہ وہ عظیم تر دن جو انسانوں کے جگر پارہ پارہ کر دے گا جو ان کے دلوں کو الٹ پلٹ کر دے گا جو ان کی نگاہوں کو پتھرا کر رکھ دے گا۔ وہ ان بندوں کے لئے انعام کا دن ہو گا۔

لِیَجْزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا۔ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس سے کروڑوں گنا بہترین بدلہ دینے کا دن ہو گا۔ ایک ہی میدان میں ایک ہی وقت میں دو حال ہوں گے۔ کہ کچھ مخلوق عذاب الٰہی میں کچھ مخلوق غضب الٰہی کی زد میں کچھ مخلوق اپنے اعمال کی اس شدت کی زد میں تڑپ رہی ہو گی وہیں کچھ لوگ بڑے مزے سے رحمت الٰہی کے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔ فرمایا میں نے تو یہ دن **لِیَجْزِیَہُمُ** ان کو انعام دینے کی خاطر تو

قیامت کا اہتمام کیا ہے۔ یہ "ل" "ھم" بتاتا ہے نا کہ قیامت کیوں قائم کی۔ لِيَجْزِيَهُمْ انہیں انعام دینے کے لئے کیسی عجیب بات ہے کیسا عجیب بے نیاز ہے۔ انسان کتنا بے وقوف بھی ہے اور کتنا اکڑ لے گا کتنا بڑا آدمی یہ بن لے گا۔ آخر کو محتاج ہے۔ اس پر کتنے زمانے آتے ہیں۔ کتنے بیتتے ہیں۔ جوانی بڑھاپا۔ صحت بیماری فراخی تنگی اپنی حیثیت کو کیوں نہیں سمجھتا انسان کو تو اپنا آپ سمجھنے کے لئے نیند کا ایک جھونکا کافی ہے۔ جو اسے بے حس کر کے گرا دیتا ہے۔ کچھ نہیں چھوڑتا صرف نیند جو ہے انسان کو اس کی اصل بتانے کے لئے کافی ہے کہ تم بیداری کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہو اور ہتھیار پھینک دیتے ہو گر جاتے ہو تمہیں ہوش نہیں ہوتی کہ کہاں پڑا ہوں۔

تو فرمایا وہ دن تو اتنا سخت ہے کہ لوگوں کے دل پھٹ جائیں گے۔ جگر پاش پاش ہو جائیں گے۔ آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ میرے بندے بھی ڈرتے تو رہتے ہیں اس سے لیکن انہیں یہ بھی بتا دے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ قیامت کا اہتمام تو تمہارے انعامات کے لئے ہے تمہیں نوازنے کے لئے ہے۔ جو عمل تم نے کیے تھے ان سے کروڑوں گنا بڑھا چڑھا کر بدلہ دوں گا اور بدلہ دینے کے بعد پھر میں اپنی طرف سے دوں گا۔

وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ۔ میں اپنی مہربانی اپنی عطا اپنی طرف سے جو دوں گا جو بدلہ دوں گا وہ کروڑوں گنا بہتر سہی لیکن تمہارے اعمال کا بدلہ اس کی نسبت سے ملٹی پلائی کیا جائے گا۔ اور جو میں اپنی طرف سے دوں گا وہ میری شان کے مطابق ہو گا اس لئے دونوں کو الگ الگ ارشاد فرمایا۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ۔ تاکہ اللہ انہیں بدلہ دے۔ احسن ما عملوا جو انہوں نے عمل کئے اس سے بہترین پھر واؤ لگا کر فرمایا اس کے ساتھ کچھ اور بھی وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ۔ جیسے امراء کے ہاں ہر چیز کا حساب رہتا ہے۔ کھانے پینے کا بھی۔ مال اسباب کا بھی۔ ایک بڑھیا ان کے پاس سوال لے کر آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا کٹورا تھا کہ میرا بیٹا بیمار ہے تھوڑا سا مجھے شہد چاہئے۔ خریدنے کی سکت نہیں ہے آپ کے دسترخوان پر تو بڑا ہوتا ہے تو تھوڑا سا مجھے عطا فرما دیجئے۔ آپ نے اس خازن کی طرف دیکھا تو شہد رکھا جاتا تھا۔ نو عمر بکری کے بچوں کے بناتے تھے مشکیزے آج کل بھی عرب میں اسی میں رکھتے ہیں۔ وہ چمڑے کا مشکیزہ بنا کر اسے بھر کے لٹکا دیتے ہیں۔ تو اس میں بیس پچیس سیر شہد آ جاتا ہے۔ تو آپ نے خادم کی طرف دیکھا تو فرمایا شہد کا ایک مشکیزہ اندر سے لاؤ تو وہ گیا اور لے آیا۔ فرمایا اس بڑھیا کو دے دو اس نے دے دیا دعائیں دیتی چلی گئی۔ لیکن یہ عموماً جو کیشیر یا خادم قسم کے لوگ ہوتے ہیں یہ ذرہ مختلط قسم کے ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی ذمہ داری ہوتی ہے بڑھیا چلی گئی تو اس سے نہ رہا گیا۔ کہنے لگا حضرت اس نے مانگا تو آدھ پاؤ کی اس کے پاس پیالی تھی اس نے مانگا تو اس میں تھا۔ آپ نے بیس پچیس سیر کا مشکیزہ دے دیا تو فرماتے ہیں مجھے اللہ سے حیا آتی ہے۔ اسے اللہ نے رزق ہی اتنا دیا ہے اس کی سوچ ہی اتنی ہے۔ وہ اپنے حوصلے کے مطابق مانگ رہی تھی۔ میں بھی اتنا ہی دیتا تو اللہ فرماتا ہے تجھے میں نے کتنا رزق دیا ہے۔ تو تو اپنی حیثیت کے مطابق دیتا۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ اس مسکین کی حیثیت کے دیا۔ میں مشکیزہ دے سکتا تھا۔ میرے پاس کئی مشکیزے پڑے ہیں۔ کہ مجھے اللہ سے حیا آئی کہ مجھے اس کی حیثیت کے مطابق نہیں اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہئے تو اگر یہ حال اللہ کے بندوں کا ہے۔

تو جب وہ فرماتا ہے کہ میں دوں گا اور اپنی شان کے مطابق دوں تو اس کی کہاں انتہا ہو سکتی ہے تو کہہ دو کہ بے حساب دوں گا۔ یعنی کتنا ملٹی پلائی کر لیں۔ سارے اعمال کو تو ان کا حساب تو ہے نا تو اس کی ایک حد ہے۔ تو اسے کتنی دفعہ ضرب دے لو پھر بھی ایک حد تو آئے گی لیکن جو اس کی عطا ہے اس کی حدیں نہیں ہیں اور فرمایا میں ایسا ہی کرتا ہوں۔

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ من يشاء بِغَيْرِ حِسَابٍ اللہ جب کسی کو عطا فرماتا ہے تو وہ بے حساب عطا فرماتا ہے۔ پھر وہ لیکھا نہیں کرتا۔ اندازے نہیں کرتا۔ اس کی عطا کی حدیں نہیں ہوتیں۔ بے حساب عطا فرماتا ہے۔

اور سب سے بڑی عطا اس کی یہ ہے کہ انسان جو محتاج کو اس مشت غبار کو وہ اپنی اپنی ذات کی اپنی جمال کی اپنے قرب کی طلب دے دیتا ہے۔ یہ ایسی عجیب بات ہے کہ جو اس کی طرف سے عطا ہوتی ہے یُحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ جب اس کی طرف سے عطا ہوتی ہے تو جواب میں انسان کے دل میں طلب پیدا ہوتی ہے۔ وہ خود مجبور کر دیتا ہے اپنی عطا سے اپنے کرم سے وہ تمنا وہ آرزو وہ شعلہ فروزاں کر دیتا ہے اور کہیں قلب کی گہرائی میں۔ ذکر کی برکت یہ ہوتی ہے کہ سارے اعمال ثواب تو پاتے ہیں کیفیات نہیں کیونکہ کیفیات کو پانے کے لئے سارے اعمال پھر ذکر کے محتاج ہیں۔ مثلاً" خشوع و خضوع ایک کیفیت ہے۔ ہر عمل میں خشوع و خضوع کی ضرورت ہے۔ لیکن اعمال نرے اعمال سے پیدا نہیں ہو گا۔ ذکر کرنے سے پیدا ہو گا۔

حتیٰ کہ محققین فرماتے ہیں کہ کوئی بھی عمل ریا کارانہ طور پر کیا جائے تو ریا عمل کو کھا جاتی ہے لیکن ذکر الٰہی ریاکاری سے شروع کر دو مسلسل کرتے رہو خلوص پیدا ہو جائے گا یعنی کوئی لوگوں کو دکھانے کے لئے کرنا شروع کر دے، کرتا رہے تو ذکر کی برکات اسے لوگوں سے اٹھا کر اللہ کو دکھانے تک لے جائیں گی۔ جیسے صابن کا کام ہے میل کاٹنا۔ طریقے سے لگاؤ تو شاید تھوڑی محنت سے زیادہ میل کٹ جائے۔ لیکن اگر اندھا دھند بھی ملتے رہو تو میل تو کاٹے گا ہی زیادہ وقت لگ جائے زیادہ دیر لگ جائے زیادہ محنت لگ جائے زیادہ صابن خرچ ہو جائے لیکن اس کی ہر رگڑ میل کو تو کاٹتی ہی رہے گی۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لکل شی۔ صقالتہ و صقالتہ القلوب ذکر اللہ۔ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہ ہر چیز کی پالش اور نکل ہوتی ہے۔ ہر چیز کو صاف کرنے کا کچھ نہ کچھ اہتمام کوئی چیز ایسی ہوتی ہے جس سے اسے صاف کیا جائے۔ دلوں کی پالش دلوں کی میقل دلوں کو چمکانے والا اللہ کا ذکر ہے۔ اس لئے اگر تعلیم و کتاب و حکمت کی بات آئی قرآن میں تو پہلے تزکیہ کے متعلق اشارہ فرما دیا۔ عبادات کی بات آئی صلوۃ اور زکوۃ کی تو پہلے ذکر کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ عبادات جو ہیں محتاج ہیں خشوع و خضوع کی اور خلوص کی اور خشوع و خضوع ایک کیفیت ہے۔ جو بنائے نہیں بنتی۔ اندر وارد ہوتی ہے۔ اب بنائے نہ ہم سے خوشی بنتی ہے نہ بنانے سے غصہ بنتا ہے۔ نہ بنانے سے دکھ بنتا ہے۔ ایک لمحہ ایسا آتا ہے کہ ہم بیٹھے بیٹھے بھڑک اٹھتے ہیں، غصہ آ جاتا ہے ایک لمحہ ایسا آتا ہے کہ ہم بیٹھے بیٹھے خوش ہو جاتے ہیں اور ابھی بیٹھے تھے رو رہے تھے۔ ہنسنے لگتے ہیں یہ کیفیات ہوتی ہیں یہ بنائے سے نہیں بنتیں۔ یہ وارد ہو جاتی ہیں۔ کسی سبب سے کسی وجہ سے تو خشوع و خضوع کی کیفیت یا طلب الٰہی کی کیفیت یا خلوص کی کیفیت وارد ہوتی ہے مسلسل ذکر کرنے سے۔

اور ذکر کا کمال یہ ہے اور یہ بڑی عجیب بات ہے یہ خوب اچھی طرح نوٹ کر لیجئے یہ میں محض بات نہیں کہہ رہا یہ محققین کے تجربات کا نچوڑ اور ما حاصل ہے کہ اگر ذکر الٰہی اور صحبت شیخ نصیب نہ ہو تو آدمی دین بھی پڑھتا ہے تو وہ علم بھی اس میں تکبر ہی پیدا کرتا ہے۔ تذلل عطا نہیں کرتا یعنی زیادہ پڑھ کر زیادہ عبادت کر کے زیادہ تقریریں کر کے زیادہ وعظ کر کے اس میں اکڑ ہی آتی ہے اور وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ علم ظاہر کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ آدمی کو کہتا ہے کہ اب تم بھی کچھ بن گئے ہو اس کی ہر سند اسے یہ احساس دلاتی ہے اس کا ایک درجے سے دوسرے درجے میں جانا اسے یہ احساس دلاتا ہے اس کا ایک عام آدمی سے نکل کر منبر پر بیٹھنا یہ ساری باتیں اسے یہ احساس دلاتی رہتی ہیں کہ تم اب کچھ ہو لیکن جب ذکر کی کیفیات وارد ہوتی ہیں تو یہ بتاتی ہیں تم نہیں ہو کوئی اور ہے۔

ایک پرانے علماء میں ہوا کرتے تھے انہیں مولوی قطبی کہتے تھے۔ بڑے دلچسپ آدمی تھے۔ پنجابی میں تقریر کیا کرتے تھے۔ ہم اس وقت چھوٹے چھوٹے تھے۔ غالباً" پرائمری مڈل میں پڑھتے تھے۔ یہ تقسیم ملک سے پہلے کی بات ہے۔ تو ان کی بڑی شہرت ہوتی تھی۔ تقریر کے لئے نیچے سٹیج بنواتے تھے۔ کوئی چھ چھ انچ اونچے تختے جوڑ کر اس پر چادر وادر ڈال کر اور بڑا پانچ چھ گز مربع

سٹیج ہوتا تھا۔ اس پر سوٹا لے کر پھرتے رہتے تھے تقریر کرتے۔ درمیان میں بنا لیتے تھے سٹیج گرداگرد مخلوق جمع ہو جاتی تھی۔ اس سٹیج پر چلتے پھرتے ہر طرف اس طرح سب کی طرف منہ کر کے تقریر کرتے رہتے تھے۔ پنجابی میں تقریر کرتے تھے۔ بڑے پنجابی کے شعر رسیلے پڑھا کرتے تھے۔ مجھے وہ ان کا افتتاحیہ ابھی تک یاد ہے وہ ہر تقریر کا افتتاح اس شعر سے کرتے تھے۔

بل بل جلواں گھول گھماواں میں مدین دے ماہی توں
اس دے در دی بھیک چنگیرے کل دنیا دی شاہی توں

بڑی لے سے اور بڑے جھوم جھوم کر یہ ان کی ابتدا ہوتی تھی اس کے بعد خطبہ پڑھنے کے بعد تقریر شروع کرنے سے پہلے یہ شعر دہرایا کرتے تھے۔ پنجابی کا اور بڑے مزے سے۔ انہیں قطبی اس لئے کہتے تھے کہ مدرسہ میں پڑھتے تھے اور قطبی منطق کا رسالہ ہے جو آخری طلبہ آخری جماعتوں میں پڑھتے ہیں تو اس پر ان کا سبق ہوتا تھا تو رمضان کا مہینہ آ گیا تو پکڑ کر طالب علموں کو لے جاتے ہیں۔ حافظوں کے مدرسے سے تراویح پڑھانے کے لئے یا اساتذہ بھی بھیج دیتے ہیں تو استاد نے بھی ایک محلے میں ان کی ڈیوٹی لگائی کہ انہیں تراویح پڑھایا کرو۔ انہیں وہ سبق بھی یاد کرنا ہوتا تھا استاد بھی بڑے سخت تھے۔ وہ پھر سوٹا لے کر بیٹھتے تھے۔ تو وہ ایسا کرتے۔ والضالین امین کہہ کر اپنا قطبی کا سبق شروع کر دیتے تھے۔ جو بے چارے پیچھے کھڑ ہوتے تھے کھڑے رہتے انہیں کیا پتہ عربی تو پڑھ رہے ہیں۔ قرآن ہی پڑھ رہے ہوں گے۔ تو وہ ان بیس رکعتوں میں تین چار بار اپنے وہ تین چار صفحے زبانی دہرا لیتے تھے جو صبح سنانا ہوتا تھا۔ تو پھر ایک دن ان کی شامت آئی تو کوئی آدمی اس محلے کا بیمار ہو گیا۔ تو ان کے جو استاد تھے مدرسے کے جو صدر معلم تھے۔ جو بزرگ بھی تھے نیک آدمی بھی تھے۔ وہ حکمت بھی کرتے تھے تو انہیں کوئی پکڑ کر لے گیا مریض کو دکھانے کے لئے تو وہاں سے فارغ ہوئے تو سمجھا کہ مدرسے کی تراویح مجھ سے چھوٹ جائے گی چلو یہاں اس مسجد میں پڑھتا ہوں۔ تو وہ بزرگ لوگ بھی سادہ ہوتے تھے کوئی اہتمام نہیں ہوتا تھا کوئی دس بارہ آدمی ساتھ نہیں ہوتے تھے۔ کوئی چغہ و عبا نہیں ہوتی تھی۔ بالکل عام آدمی کی طرح لوگ رہتے تھے۔ یہ تو اب تماشے بن گئے ہیں۔ وہ آئے باہر سے اور پیچھے آ کر نماز میں شامل ہو گئے۔ حضرت فرض پڑھا رہے تھے۔ نماز کھڑی تھی وہ کہیں باہر صحن میں پچھلی صف میں جہاں پہنچے وہاں کھڑے ہو گئے۔ چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہوتی تھیں۔ دیا ہوتا تھا وہ تارے میرے کے تیل سے جلنے والا۔ تو جب انہوں نے شروع کی تراویح تو پہلی رکعت میں انہوں نے والضالین امین کہہ کر اپنا وہ قطبی کا سبق شروع کیا تو انہوں نے وہاں سے گالیاں دینا شروع کر دیں کہ تیری ایسی تیسی بے ایمان سب کی نمازیں خراب کر رہا ہے۔ سوٹا لیا ہوا اس نے آواز سنی تو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ آگے آگے وہ پیچھے پیچھے مولانا۔ نمازی کھڑے پریشان کہ یہ کیا انہوں نے یہ کہا سارا رمضان دہراؤ یہ تو تمہاری تراویح ضائع ہو گئی۔ بے ایمان قطبی پڑھتا رہا۔ انہیں اللہ جنت نصیب کرے۔ وہ بڑے عمر رسیدہ ہو کر فوت ہوئے۔ بہت نیک آدمی تھے۔ لیکن ساری زندگی اصل نام کوئی نہیں جانتا تھا۔ مولانا قطبی انہیں کہتے تھے۔

تو یہاں ایک دفعہ ان کا جلسہ تھا یہ نور پور کے ساتھ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے تو وہاں کسی نے کہہ دیا کہ یہاں جی شیعہ کا کوئی آیا تھا ذاکر ایک مقرر اس نے تقریر کی اس نے کہا جسے تم امام اعظم کہتے ہو وہ تو کوفے کا قصائی تھا تو آپ اپنی تقریر میں اس بات کا جواب دیں انہوں نے بڑی مزے دار بات کی۔ باتیں وہ بڑے مزے کی کیا کرتے تھے۔ وہ فرمانے لگے۔ دیکھو بکرا پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک صرف میں کہتا ہے اس کا مزاج اس کی بولی اس کی آواز یہ بھوکا ہو تو بھی میں کہہ کر چلاتا ہے۔ پیاسا ہو تو بھی میں کہہ کر پیٹ بھرا ہوا ہو تو بھی میں کہہ کر ڈکراتا ہے۔ پکڑو تو بھی میں میں کرتا ہے۔ چھوڑو تو بھی ہمیشہ میں ہی میں کا راگ الاپتا ہے۔ لیکن جب یہ قصاب کے اڈے چڑھتا ہے وہ اس کی گردن پر چھری پھیرتا ہے تو اس سے سارا تکبر کا خون نکالتا ہے پھر اس کا وہ گوشت تزہین و آرائش جس پر اسے فخر تھا وہ اس سے علیحدہ کرتا ہے پھر اس کی انتڑیاں نکالتا ہے۔ ان کا پھر غودا بناتا ہے پھر اسے وٹ دے دے کر خشک کر کے اس کے

ساتھ محنت کر کے اس کی تانت بناتا ہے۔ پھر وہ جاتی ہے کسی کارخانے میں۔ کسی وہ روئی پنجنے کے پینجے پر چڑھتی ہے پھر ایک بیٹھا ہوتا ہے اس کے پاس ایک موٹی سی لکڑی ہوتی ہے۔ جب اس تانت پر مارتا ہے نا تب وہ کہتی ہے۔ توں۔ تو ساری زندگی میں میں کہتا رہا یہ قصاب کا احسان تھا کہ اسے توں یاد آیا۔ کہنے لگا امام ابو حنیفہ ایسا ہی قصاب ہے کہ کروڑوں میں میں میں پھنسے ہوئے انسانوں کو تو سے آشنا کر دیا۔ تو اگر یہ شخص نہ ہوتا تو ہم تو ساری زندگی میں ہی میں کہتے رہتے۔ اس کا اتنا احسان ہے امت پر کہ کروڑوں انسانوں کو اس نے تو سے آشنا کر دیا۔ اور جسے پوچھو وہ کہتا ہے تو ہے اگر اس طرح سے کہو تو وہ کہنے لگے کہ میں بھی تم سے متفق ہوں کہ وہ قصاب تھے۔

دیکھو نا آج تو کسی عالم کے سامنے یہ سوال رکھو تو وہ دس طرح کی پیچیدگیاں اپنے جواب میں پیدا کر دیتا ہے۔ دس طرح کے اعتراض کتنے کیسے عجیب لوگ تھے کہ کتنی تلخ بات کو کس شیریں انداز میں لیا کیسے عجیب لوگ تھے۔ بالکل ہی اب تو ہم بالکل ہی بدل گئے ہیں۔ کتنے عجیب کتنے پیار کرنے والے کتنی محبت کرنے والے لوگ تھے۔ کہ کسی نے نفرت سے اعتراض کیا وہ بھی اگر سوچے تو ان کے جواب کا قائل ہو جائے۔ اسے یہ نہیں کہا کہ تو ایسا' تیرا باپ ایسا' تیرا استاد ایسا' یا تم چمار ہو کہنے لگا نہیں میں بھی آپ سے متفق ہوں۔ اگر اس معنے میں سمجھو تو وہ بہت بڑا قصاب تھا۔ کروڑوں انسانوں کو اس نے محنت کر کے مجاہدہ کر کے فقہ مرتب کر کے کروڑوں انسانوں کو تو سے آشنا کر دیا۔

تو یہ حال ہوتا ہے کیفیات کا جب ذکر کی برکت سے شیخ کی توجہ سے صالحین کی صحبت سے جب یہ کیفیات دل میں آتی ہیں تو میں سے بات بڑھ کر تو پر چلی جاتی ہے۔ لیکن علم ظاہر اگر بغیر ذکر کے بغیر صحبت شیخ کے بغیر توجہ کے نصیب ہو تو الا ماشاء اللہ ضروری نہیں۔ مستثنیات تو ہر جگہ ہیں۔ لیکن اکثر یہ ہوتا ہے کہ طالب علم پڑھ پڑھ کر خود ہی بہت بڑا آدمی بن جاتا ہے۔ خود کو بھی بہت کچھ سمجھنے لگتا ہے۔ اس لئے پہلے جتنے علماء تھے ان کی سوانح اگر آپ دیکھیں تو یہ بات آپ کو ملے گی کہ فلاں مدرسے سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد فلاں بزرگ کی صحبت میں اتنا عرصہ رہے یعنی سب کا یہی حال ہے یہ تو اب رواج ہو گیا ہے کہ پہلے تو کوئی مدرسوں میں تکمیل نہیں کرتا دو چار تقریریں کرنے کا ڈھنگ آ گیا بھاگ گئے اور پھر ذکر کی تردید کرتے ہیں۔ اور یہ بڑی بد نصیبی ہے۔

مولانا تھانوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ سے اگر فائدہ حاصل نہ کر سکو تو ان کی تکذیب اور تردید کا جرم نہ کرو کہ دنیا پر جو اللہ کے بندے ہوتے ہیں ان کی برکات غیر شعوری طور پر بھی جو ان کے وجود سے وابستہ جو برکات ہوتی ہیں وہ غیر شعوری طور پر لوگوں کو ملتی رہتی ہیں۔ ہم ظاہری اسباب تلاش کرتے ہیں اور پھر وہ ظاہری اسباب بھی ہمیں پھر نہیں ملتے۔ میں آپ کو ایک چھوٹی سی بات کی طرف اشارہ کرتا چلا جاؤں کہ من جانب اللہ جب کچھ لوگ مقرر ہوتے ہیں تو ان کے وجود کے ساتھ عجیب برکات وابستہ ہوتی ہیں۔

جیسے حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے جب قیامت قائم ہو گی تو جتنے اولیاء اللہ کے مناصب ہیں یہ مجازیب کو دے دیئے جائیں گے۔ جنہیں اپنا ہوش نہیں ہوتا۔ ان میں سے کوئی غوث ہو گا کوئی قطب ہو گا۔ کوئی کچھ ہو گا۔ کوئی کچھ ہو گا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ سب کو تباہ کر دیں گے۔ یہ جو مناسب اہل اللہ کے بدلتے ہیں تو بعض لوگوں کے پاس پہنچتے ہیں تو کام دینی اعتبار سے ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ بعض لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں۔ تو اب آپ دیکھ لو۔

اس زمانے میں کسی ایسے شخص کو عظمت نصیب ہوئی ہے کہ پوری دنیا پر غیر شعوری طور پر ہر مسلمان اٹھ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ اب وہ نہیں جانتا وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ اگر کشمیری میں ہمت آ گئی تو پچاس سال پہلے بھی تو کشمیری یہی تھا۔ اگر روس کی ریاستیں جو ہیں وہ دین کا نعرہ لے کر وہ مسلمان کھڑے ہو گئے ہیں تو پچھتر سال پہلے بھی تو وہ یہی تھے۔ ایک دو دن تو نہیں پچھتر سال ہو گئے ہیں انہوں نے کبھی اف نہیں کی۔ اور صرف یہ نہیں آپ اس ملک میں باہر روئے زمین پر جہاں دیکھیں تو برے

سے برا بدکار سے بدکار جاہل سے جاہل مسلمان بھی واپسی کی سوچ رہا ہے۔ یعنی غیر شعوری طور پر ہر قلب و نظر میں دین کی طرف جانے کی تڑپ پیدا ہو گئی ہے۔ اور یہ ہوتے ہیں وہ اثرات جو اہل اللہ سے مرتب ہوتے ہیں۔ اور یہ لوگ نہیں جانتے ہمارے علم میں نہیں ہے وہ آدمی کون ہے۔ وہ کہاں ہے وہ کیسا ہے۔ لیکن یہ اثرات دیکھ کر سمجھ آتی ہے کہ کوئی بہت ہی بڑا انسان ہے اللہ نے کسی کو بہت ہی بڑی عظمت دی ہے کہ غائبانہ طور پر بھی جس کی جرات و ہمت میں اتنا اثر ہے کہ حیرت میں ہے دنیا ساری پوری دنیا حیرت میں ہے کہ یہ عجیب بات ہے۔ ایک دم سے کیسے ہو گیا یہ۔ یعنی کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ روس کی حکومت اپنا سارا فوجی زور صرف کر دے اور وہ ریاستیں کہیں کہ ہم نہیں مانتے اور عجیب بات ہے انہیں کلمہ نہیں آتا۔ نماز نہیں آتی اذان نہیں آتی۔ تیسری پشت جا رہی ہے نمازیں چھوڑے ہوئے اور حکماً" مساجد بند تھیں۔ اذان بند تھی لیکن وہ کہتے ہیں ہم اپنی اسلامی ریاست بنائیں گے۔ ہم اسلام سیکھیں گے۔ ہم اسلامی ریاست بنائیں گے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے۔

مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر اہل اللہ کی تردید شروع کر دی جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ غائبانہ پہنچنے والی برکات سے بھی آدمی محروم ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر استفادہ نہ کر سکے ان کی مجالس میں نہ جا سکے تو تردید نہ کرے کہ تردید کرنے سے وہ برکات جو غائبانہ پہنچتی ہیں ان سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں اہل اللہ کا انکار کفر نہیں ہے۔ لیکن کرنے والے مرتے عموماً" کفر ہی پر ہیں یہ بجائے خود کفر نہیں ہے لیکن جب اہل اللہ کی برکات سے کوئی شخص محروم ہو جائے تو وہ گناہ کرتے کرتے اس حد پر چلا جاتا ہے کہ موت اس کا خاتمہ جو ہے وہ کفر پر ہوتا ہے۔

لیکن یاد رکھو نہ ہر دیوانہ ولی اللہ ہوتا ہے اور نہ ہر بے سرو پا ہانکنے والا ہر مداری بلکہ ہر اہل اللہ کی حدود اللہ نے خود بیان فرما دیں کہ میرے بندے کاروبار حیات میں بھی سرگرم عمل ہوتے ہیں۔ عبادات میں بھی سرگرم عمل ہوتے ہیں اور اس کے بعد

اعتکاف

جو حضرات اعتکاف کے لیے دارالعرفان آنے کے خواہش مند ہیں وہ ۲۰ رمضان المبارک عصر تک دارالعرفان، منارہ پہنچ جائیں۔ اپنے حلقے کے امیر یا متعلقہ صاحب مجاز سے تحریری اجازت نامہ لازمی ہے

میرے ذکر اذکار میں اور میری طلب میں بھی ایک دنیا کو جذب عطا کرتے ہیں اور یہ سارا کرنے کے بعد پھر ان میں اکڑ پیدا نہیں ہوتی پھر ڈرتے رہتے ہیں کہ اللہ ہم نے جو بھی کیا پھر وہ بھی تو تیری عطا سے کیا۔ اس میں ہمارا کیا ہے ہم اپنے پلے سے کیا لائے۔

؎ جان دے دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اگر جان بھی دے دی تو گھر سے کیا دیا۔ عبادت بھی کی اذکار بھی کئے مراقبے بھی کئے تقریریں بھی کیں اپنا اس میں کیا دیا یہ تو پھر تیرا ہی دیا ہوا تھا۔

تو ہمہ وقت اس کی رحمت اس کی بخشش اس کی عطا کے امیدوار بھی رہتے ہیں۔ اللہ کریم ہمیں دین کی سمجھ اور اس کے شعور کے ساتھ توفیق عمل بھی بخشے ہمارے بے پناہ گناہوں سے ہمیں امان بخشے معاف فرمائے۔ ہماری نالائقیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور دنیا اور آخرت کی رسوائی سے پناہ عطا فرمائے۔ آزمائش و امتحانوں میں نہ ڈالے۔ ہم کمزور ہیں وہ کریم ہے۔ زمانہ بہت سخت ہے اللہ ہمیں اس سے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ اور دار دنیا سے اپنی حفظ و امان میں لے جائے۔